حاملِ عرشِ شرعِ حق

احوال وافکار

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وافکار پر ایک مستند تحقیقی کتاب

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ جمال جاوید الیاس

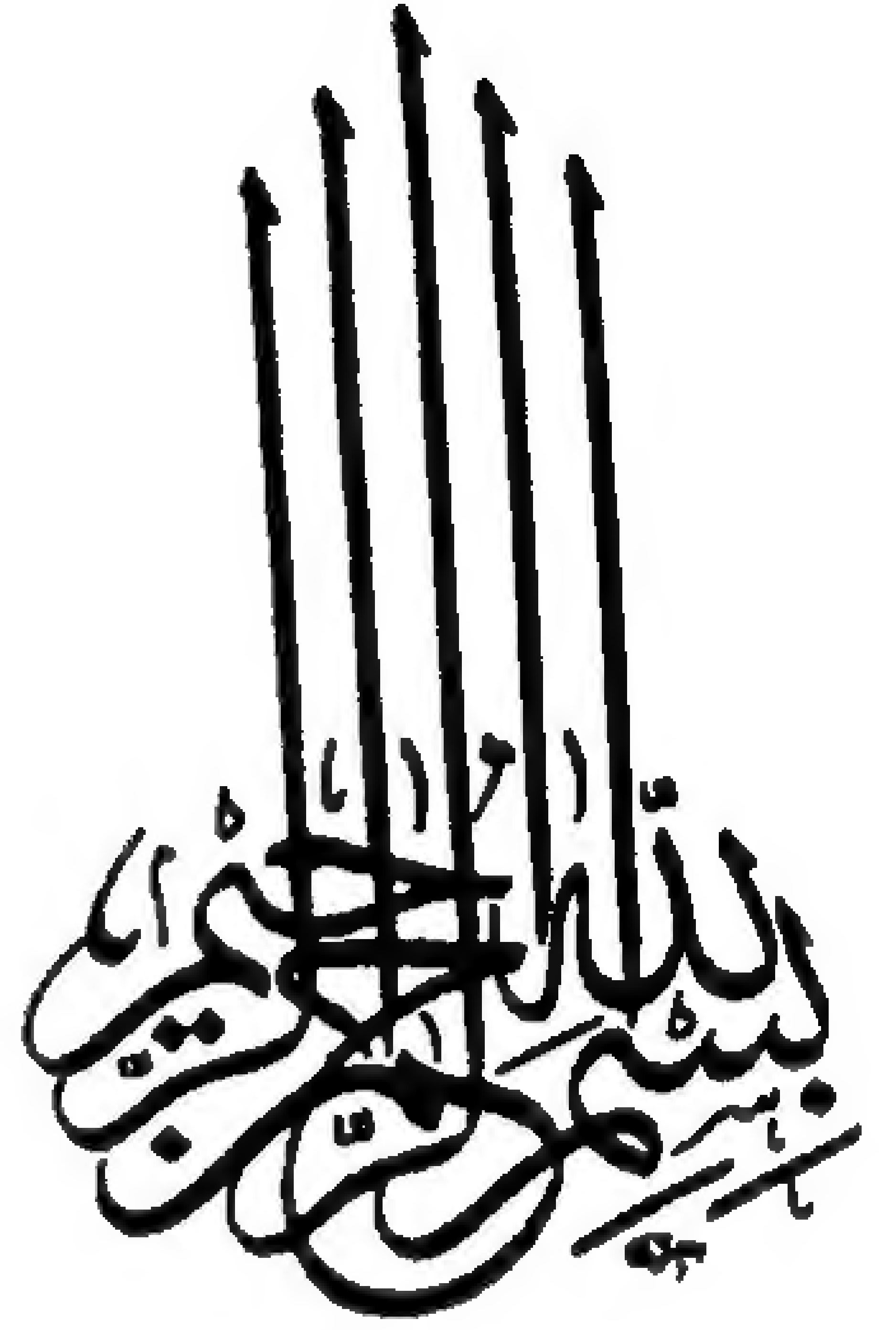
ترجمہ

ڈاکٹر غازی محمد نعیم

یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ

تصوف فاؤنڈیشن

۱۴۱۹ھ



احوال وافکار

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ

حضرت علاء الدولہ سمنانیؒ کے احوال وافکار پر ایک مستند تحقیقی کتاب

تصوف فاؤنڈیشن ابونجیب حاجی محمد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور لختِ جگر
کو ایصالِ ثواب کے لیے بطور صدقہ جاریہ اور یادگار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب و سنت اور
سلف صالحین و بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مطابق تبلیغِ دین اور تحقیق و اشاعت کتب تصوف کے لیے وقف ہے۔

حاملِ عرشِ شرعِ حق

احوال وافکار

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وافکار پر ایک مستند تحقیقی کتاب

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ جمال جاوید الیاس

ترجمہ

ڈاکٹر غازی محمد نعیم

○

تصوف فاؤنڈیشن

لائبریری ٥ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ٥ مطبوعات

سمن آباد — لاہور — پاکستان

102314

یکے از مطبوعات تصوف فاؤنڈیشن

صوفی تذکرے ○ سلسلہ اُردو تراجم

○

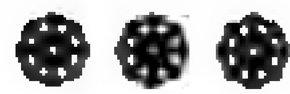
نام کتاب	:	احوال وافکار حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی ؒ
مصنف	:	پروفیسر ڈاکٹر خواجہ جمال جاوید الیاس
مترجم	:	ڈاکٹر غازی محمد نعیم
ناشر	:	تصوف فاؤنڈیشن، لاہور۔
طابع	:	حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور
سال اشاعت	:	۱۴۳۴ھ ــــــ ۲۰۱۲ء
قیمت	:	۲۷۰/- روپے
تعداد	:	ایک ہزار

○

تقسیم کار:۔ المعارف ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

فون: ۰۴۲-۳۷۲۱۴۶۶۲

فہرستِ مضامین



تصوّف فاؤنڈیشن کی تمام کتابیں صوری و معنوی محاسن کا شاہکار ہیں

ہدیہ تبریک

ابونجیب حاجی محمد ارشد قریشی رحمۃ اللہ علیہ
ایم اے اقتصادیات O ایم اے علوم اسلامیہ
بانی تصوف فاؤنڈیشن لاہور

حضرت فضل شاہ رحمۃ اللہ علیہ (نوروالوں کا ڈیرہ) سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ دوران ملازمت اہم کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔ المعارف، گنج بخش روڈ اور سمن آباد میں اسلامک بک فاؤنڈیشن، تصوف فاؤنڈیشن جیسے اداروں کا قیام ان کی بزرگانِ دین سے گہری عقیدت اور محبت کی غماز ہے۔ مرکز معارف اولیاء داتا دربار لاہور۔ (محکمہ اوقاف پنجاب) کے مجوز اور پہلے مہتمم بھی رہے۔ تصوف پر اُردو، فارسی، عربی، انگریزی میں متعدد کلاسیک کتب شائع کرنے کی وجہ سے علمی اور روحانی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت تھے۔ اُن کے وصال کے بعد یہ سلسلہ اشاعت رُک گیا تھا، تصوف فاؤنڈیشن نے کافی عرصہ کے بعد تصوف پر مستند علمی کتب کی اشاعت کا یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا ہے جو کہ انہی کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے، یہ کتاب بھی اس سلسلہ اشاعت کی ایک کڑی ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ وہ بانی ادارہ کو ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔



پیش لفظ

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کا شمار سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے نامور ترین شیوخِ طریقت میں ہوتا ہے۔ آپ شاہِ ہمدان میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ کے مرشد ہونے کے علاوہ آپ کے ماموں بھی ہیں۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ کی عظیم علمی اور روحانی مساعی کی شہرت فی زمانہ عالمگیر حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اس ذیل میں ہمارے مرحوم دوستوں آغا ڈاکٹر سید حسین ہمدانی اور میر عبدالعزیز کی کوششوں سے منعقد ہونے والی انٹرنیشنل شاہ ہمدان کانفرنسوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ کشمیر، ایران اور تاجکستان میں تو آپ کی شخصیت محتاجِ تعارف پہلے بھی نہ تھی۔ برِ عظیم ہند اور خصوصاً پاکستان میں آپ حکیم الامت حضرت ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ کے ممدوحِ خاص ہونے کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

سلسلۂ ہمدانیہ و کبرویہ اور حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ سے ہمارے تعارف کا ایک اور وسیلہ میر سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ اور سلسلۂ نوربخشیہ ہے، جن کے لاکھوں پیروکار پاکستان اور ایران میں موجود ہیں۔

میرے لیے انتہائی مسرت اور طمانیت کی بات ہے کہ جہاں فاضل مؤلف پروفیسر جمال جاوید الیاس نے زیرِ نظر تالیف میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حیات و تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا ہے وہاں مذکورہ بالا دونوں حوالوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ افکارِ سمنانی رحمۃ اللہ اور فکرِ اقبال رحمۃ اللہ کے خصوصی تعلق کے بارے میں فاضل مؤلف لکھتے ہیں۔

> *Simnani's influence in this regard has been so far-reaching as to inspire the influential poet and philosopher, Muhammad Iqbal_, who maintained that Junayd al-Baghdadi and Simnani were his precursors in the development of the philosophy of the self (asrar-i Khudi).*

اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ وحدت الشہود کا نظریہ جو شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ اور سلسلۂ نقشبندیہ نے شیخ ابن العربی کے عقیدۂ وحدت الوجود کے مقابلے میں متعارف کرایا وہ فکرِ سمنانی رحمۃ اللہ سے ہی ماخوذ ہے۔ نیز مندرجہ بالا بیان میں حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ کے حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی تعلیمات سے براہِ راست استفادے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

اسی طرح 'مسلکِ نوربخشیہ' کے حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے فکری اور روحانی ورثے کے امین ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

> *Simnani has left a lasting impression upon the development of Islamic mysticism. His teachings concerning the requirement of the path and visions encountered therein served as a distinguishing feature of the Rukniyya, a subbranch of the Kubrawiyya named after him. Through Ali-yi Hamdani these ideas also influenced Sayyid Muhammad-i Nurbakhsh and subsequently Nurbakhshi order.*

ان بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی ممکن ہے کہ فی زمانہ تعلیماتِ تصوف کے ذیل میں فکرِ سمنانی رحمۃ اللہ، فکرِ ہمدانی رحمۃ اللہ نیز فکرِ اقبال رحمۃ اللہ کی صوفیانہ وراثت مسلکِ نوربخشیہ کو ہی منتقل ہوئی ہے۔ اتحاد بین المسلمین اور رفعِ اختلاف بین المسالک کی تحریک ہونے کے باوصف مذہبی انتہا پسندی اور دہشتگردی کے موجودہ ماحول میں اگر کوئی مسلک 'روشن خیال اعتدال پسندی' کے نظریے کی فکری اساس مہیا کر سکتا ہے تو وہ بالعموم مذاہبِ تصوف اور بالخصوص مذہب صوفیہ مسلکِ نوربخشیہ ہے۔ بزرگانِ سلسلۃ الذہب نوربخشیہ کا شاندار علمی ورثہ اس دعویٰ کی کافی دلیل ہے۔ اہلِ تحقیق کو اس اہم موضوع پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ اور مسلکِ نوربخشیہ کی اشاعت کے بعد ایک مخصوص حلقے نے محض تنقید برائے تنقید کی روش اپناتے ہوئے حدِ اعتدال و انصاف سے انحراف کیا۔ چونکہ اعتراضات کی نوعیت علمی نہ تھی بلکہ وہ محض جذباتی نوعیت کے بیانات تھے اس لیے راقم

الحروف نے انہیں قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ان حضرات کی خدمت میں محض اتنی گزارش کروں گا کہ چونکہ محقق کا فرض حقائق کو جوں کا توں پیش کرنا ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی تحقیق میں ذاتی پسند ناپسند یا رائے عامہ کی موافقت اور عدم موافقت کا خیال رکھے بغیر تحقیقی دیانت کا ثبوت دینا اپنا فرضِ عین سمجھتا ہے۔اگر علمی اور تحقیقی اعتبار سے اس کے کام میں کوئی لغزش ہو تو اس پر مثبت اور تعمیری علمی تنقید ہونی چاہیے۔اسی طرح کسی بھی مترجم کا فرض ہے کہ وہ ترجمہ کرتے وقت متن سے انحراف نہ کرے۔ممکن ہے زیرِ نظر تالیف کے بعض مندرجات سے بعض قارئین کو نظریاتی اختلاف ہو۔بلکہ ایک آدھ مقامات ایسے ہیں جہاں خود مترجم کا نقطۂ نظر مؤلف سے مختلف ہے۔چنانچہ راقم الحروف نے چند مقامات پر اس اختلاف کا اظہار حاشیے میں کیا ہے۔

مجموعی طور پر پروفیسر جمال جاوید الیاس کا تحقیقی مقالہ The Throne Carrier of God مطالعۂ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل میں ایک گراں قدر کوشش ہے۔حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار بندے کو خدا سے ملانے والے راستے کی واضح نشاندہی کرتے ہیں۔انوار و الوان اور مکاشفات و لطائف کے بیان میں سارے ادبِ تصوف میں آپ کی نظیر ملنا مشکل ہے۔حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے براہِ راست فیضِ الٰہی کی رہنمائی کے نتیجے میں دنیوی سلطنت و اقتدار کو چھوڑ کر کوچۂ فقر و تصوف میں قدم رکھا اور اس عظیم روحانی مقام تک پہنچے جہاں آپ خود کو بجا طور پر 'حاملِ عرشِ شرعِ حق' سمجھتے ہیں۔آپ کی عظیم تصانیف خصوصاً 'تفسیر نجم القرآن' ادبِ تصوف کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

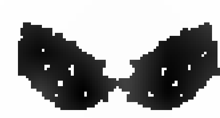
پروفیسر جمال جاوید الیاس ایمہرسٹ کالج امریکہ میں دینیات کے پروفیسر ہیں۔پروفیسر صاحب سے راقم الحروف کی ملاقات ۱۳ جون ۱۹۹۸ء کو اسلام آباد میں ہوئی جب وہ تحقیقی اور علمی دورے پر پاکستان آئے اور غریب خانے پر تشریف لائے۔اس ملاقات میں راقم الحروف نے پروفیسر صاحب سے ان کے علمی مقالے کے اردو ترجمے کی اجازت لی تھی۔

اس ترجمے میں وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو ترجمہ در ترجمہ کا خاصہ ہوتی ہیں۔ اصطلاحاتِ تصوف کو انگریزی کا جامہ پہنانے کے بعد انہیں تیسری زبان میں منتقل کرنا انتہائی دشوار کام تھا۔ میں نے اس مشکل کام سے حتی المقدور عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں کم از کم مفہوم تک قاری کی رسائی ایک حد تک آسان ہوگئی ہے تاہم الفاظ و اصطلاحات کو صحت کے ساتھ اردو میں منتقل کرنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور اس سلسلے میں اہلِ علم قارئین سے گزارش ہے کہ ممکنہ فروگزاشتوں کی نشاندہی فرمائیں۔

میں پروفیسر جمال جاوید الیاس کا شکرگزار ہوں جنہوں نے ازراہِ کرم اس اہم تالیف کا ترجمہ کرنے کی اجازت عنایت فرمائی۔ اصل کتاب سے استفادے کے لیے قارئین انٹرنیٹ سے رجوع کر سکتے ہیں۔

اس کتاب کو 'تصوف فاؤنڈیشن' کے روحِ رواں نصر اقبال قریشی صاحب نے نہایت اہتمام کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے جس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔ دراصل یہ کتاب تصوف فاؤنڈیشن کے سلسلہ اشاعت "اُردو تراجم۔ صوفی تذکرے" کی ایک کڑی ہے، انشاءاللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں ایسی ہی کئی اور علمی کاوشیں نذرِ قارئین کی جائیں گی جن میں ''معارفِ نوربخشیہ'' (منظوم ترجمہ مثنوی اسرار الشہود)، ''مۓ الست'' (منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ)، ''خورشیدِ جہانتاب'' (منظوم ترجمہ دیوانِ نوربخش رحمۃ اللہ)، ''مثنوی پیغمبر نامہ''، ''فیضِ ہما'' ''یعنی غالب کا فلسفۂ حیات''، ''احوال و افکارِ شاہ ہمدان رحمۃ اللہ'' وغیرہ شامل ہیں۔

غازی محمد نعیم، اسلام آباد



باب اوّل

تعارف

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ ذوالحج ۶۵۹ھ بمطابق نومبر ۱۲۶۱ء میں پیدا ہوئے اور ۲۲ رجب ۷۳۶ھ بمطابق مارچ ۱۳۳۶ء میں وفات پائی۔ آپ کا مبارک زمانہ وہ تھا جب منگول الخانید ایران اور عراق پر قابض تھے، جن کا دورِ حکومت تیرھویں صدی عیسوی کے وسط سے چودھویں صدی تک کی مدت کو محیط ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں نوآبادیاتی استعمار سے قبل یہ پہلا موقع تھا کہ یہ وسط ایشیائی اسلامی علاقے کسی غیر مسلم حکومت کے زیرِ تسلط آئے۔ عراق اور ایران کو تاراج کرنے کے عمل میں منگولوں نے نہ صرف ان علاقوں کے مذہبی اور انتظامی تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا بلکہ مرکزِ خلافت، بالا دالعروس بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جو اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خلیفۃ المسلمین کو اقتدار سے محروم کرنے کے بعد منگولوں نے ان علاقوں میں غیر مذہبی طرزِ فکر رکھنے والی اشرافیہ کو انتظامی امور سونپے جن میں مشہور ترین جوینی خاندان تھا۔ لیکن جوینی خاندان کے ساتھ ساتھ تاریخ میں ایک سمنانی خاندان کا ذکر بھی بار بار آتا ہے۔ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ اسی مقتدر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی ابتدائی زندگی ایک درباری کی حیثیت سے بڑی عیش و عشرت میں بسر ہوئی۔ لیکن بعدازاں آپ نے دنیوی جاہ و حشم اور راحت و آسائش کو لات مار کر زہد و تقویٰ اور تصوف و سلوک کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کیا اور یہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اگرچہ آپ سے قبل حضرت شیخ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ نے بھی بادشاہت ترک کر کے فقر و درویشی کا راستہ اختیار کیا ہے لیکن اُن کے واقعات صفحاتِ تاریخ

میں محفوظ نہ ہو سکے، جبکہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی مبارک زندگی کے حالات اور آپ کی تعلیمات آج بھی محفوظ ہیں۔

اگر چہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ ایک بڑے عالمِ دین، فقیہ اور شاعر بھی تھے مگر آپ کی اصل وجہِ شہرت آپ کے عظیم صوفیانہ افکار ہیں۔ آپ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (م ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء) اور اس عہد کے مشہور بزرگ حضرت مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ کے روحانی تجربات اور طریقۂ ذکر سے بے حد متاثر تھے۔ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے ان عظیم بزرگوں کے احوال کو انوار و لطائف غیبی کے ایک پیچیدہ علامتی نظام کی شکل میں بیان فرمایا۔ اس کی اہم خصوصیات میں درجات و مراتب کا ایک مربوط نظام، عالمِ طبیعی و روحانی کے درمیان ایک رابطے اور تعلق کا تعین اور ان دو دنیاؤں کے اختلاف و توافق کا انکشاف شامل ہیں۔

ظہورِ ذاتِ حق اور تخلیقِ کائنات کے باہمی رشتے کے تعلق کی وضاحت کے لیے آپ نے عقیدۂ وحدت الوجود سے ہٹ کر ایک مسلک اختیار کیا، جس میں موجودات و مخلوقات کو ذاتِ الٰہی کا جزو سمجھنے کے بجائے تجلیاتِ الٰہی کے درجہ بدرجہ اظہار کا ایسا تصوّر موجود ہے جو مادی کائنات کی تخلیق پر منتج ہوتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ کے عقیدۂ وحدت الوجود کے مقابل یہ ایک مستقل اور جداگانہ اہمیت کا حامل عقیدہ ہے جس کا اظہار حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے ابنِ عربی رحمۃ اللہ کے مرید عبدالرزاق الکاشانی (م ۷۳۶ھ/۱۲۴۰ء) کے نام خطوط میں کیا ہے۔ تین سو سال بعد سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم صوفی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ نے ہندوستان میں ابن عربی کے عقیدۂ وحدت الوجود کے اثرات کو کم کرنے کے لیے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا۔ یہ عقیدہ جس نے نقشبندی سلسلے کے علاوہ دیگر سلاسل تصوف کے نظامِ فکر کو متاثر کیا، دراصل حضرت شیخ علاء الدولہ

سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکارِ عالیہ سے ہی ماخوذ ہے اور خدا اور کائنات کے باہمی رشتے کو بیان کرنے کے باب میں اس نے بڑی حد تک عقیدۂ وحدت الوجود کی جگہ لے لی ہے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے اور عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں آپ کی تصانیف کی بڑی تعداد موجود ہے۔ آپ کی تصانیف کی مجموعی تعداد ۱۰۴ ہے اور ان تصانیف میں ۱۵۴ موضوعات ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ آپ کے خطوط و مراسلات کے علاوہ ۹۷ تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔ ان تصانیف میں بعض مختصر ہیں اور بعض صوفیانہ اصطلاحات اور تصورات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہیں جبکہ اکثر مبسوط تحریریں ہیں جن میں قرآن مجید کی وہ اہم تفسیر بھی شامل ہے جو تصوف و عرفان کا بیش بہا خزانہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا مجموعۂ غزلیات اور بعض دیگر صوفیانہ تصانیف بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کی اس علمی زندگی کا آغاز حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے بعد ہوا جنہوں نے آپ کو سلسلۂ کبرویہ سے متعارف کرایا اور بعد ازاں خرقۂ تصوف اور سندِ ارشاد بھی عطا فرمائی۔

آپ کی تصانیف کے موضوعات متنوع ہیں لیکن ان میں سے اکثر آپ کے اپنے مریدین اور صوفیائے متاخرین کے رشد و ہدایت سے متعلق ہیں۔ یہ ہدایات نظری بھی ہیں اور عملی بھی اور صوفیانہ، فلسفیانہ افکار اور شرع و دین سے متعلق امور پر مشتمل ہیں۔ آپ کی تصانیف میں خدا اور کائنات کے باہمی تعلق، انسان کے وجودِ روحانی کی ماہیت اور افعال، اربابِ تصوف کے درجات و مراتب، اور احوال و مقاماتِ باطنی کا تفصیلی بیان موجود ہے۔ ان تشریحات و توضیحات کے باب میں آپ نے جا بجا صوفیائے متقدمین کے افکار و ارشادات کا بھی حوالہ نقل کیا ہے اور ان کے ساتھ اپنے اتفاق یا اختلاف کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی تصانیف میں اذکار و وظائف کے مخصوص طریقوں، اور

عبادات و معاملات کے امور جیسے خاندان، جائیداد اور ریاست کے متعلقات کے بارے میں احکامات، رسوماتِ دینی اور روزمرہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات مثلاً دسترخوان کے آداب وغیرہ پر بھی تفصیلی بحث موجود ہے۔ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے اپنی سوانحِ عمری میں ذاتی تجربات کی روشنی میں مذکورہ امور پر بحث فرمائی ہے۔

آپ کی موجودہ تصانیف میں آپ کے فکر کا عظیم ترین مرقع تفسیر نجم القرآن ہے۔ اس عظیم تصنیف میں جو سورۂ فاتحہ اور سورہ ۵۲ تا ۱۱۴ تک کی تفسیر پر مشتمل ہے اور جو بلحاظِ ضخامت قرآن مجید کا تقریباً چھٹا حصہ ہے، آپ نے اپنے عرفانی خیالات کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر نجم القرآن کو آپ کی نمائندہ تصنیف اور آپ کے مسلکِ تصوف کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

تاسف کا مقام ہے کہ بالعموم اسلامی تصوف اور بالخصوص سلسلۂ کبرویہ میں آپ کے افکارِ عالیہ کی اس اہمیت کے باوجود قدیم و جدید تذکرہ نگاروں اور محققین نے آپ کی حیات و افکار پر بہت کم توجہ دی ہے۔ اس عدم توجہی کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کا عہدِ مبارک منگولوں کے حملے اور تیموری دورِ اقتدار کی درمیانی مدت کو محیط تھا جس کے متعلق بیشتر حقائق گوشۂ اخفا میں ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم اسلامی محققین نے آپ کو منگولوں کے دربار سے تعلق کی بنیاد پر نظر انداز کیا ہو۔ تاہم جدید محققین میں سے بعض نے آپ کی تعلیمات کی طرف خصوصی توجہ بھی دی ہے جن میں ایچ۔ کاربن، ایچ۔ کارٹ، ن۔م ہروی، ایچ۔ لینڈولٹ، ایم۔ مول، عبدالرفیع حقیقت، اور س۔م، صدر جیسے علمائے مشرق و مغرب کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ماضی قریب میں آپ کی بعض اہم تصانیف نقد و نظر کے ساتھ زیورِ طبع سے بھی آراستہ ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود آپ کی حیات اور افکار کا ایک جامع تذکرہ منظرِ عام پر آنا ضروری تھا اور زیرِ نظر تالیف اسی ضرورت کی تکمیل کی

ایک کوشش ہے۔ آپ کی حیات اور افکار کو مختصر، مربوط اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی خاطر میں نے سوانحی تفصیلات کے بیان میں بہت سے تاریخی اور سماجی حوالوں سے صرفِ نظر کیا ہے۔ تاہم بعض ایسی صوفیانہ اصطلاحات کی وضاحت ضروری ہے جن کے بغیر آپ کے افکار کو کما حقہٗ سمجھنا ممکن نہ تھا۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصۂ اوّل میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حیاتِ مبارکہ اور حصۂ دُوم میں آپ کے افکار و تعلیمات کا تذکرہ ہے۔

کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں میں نے دستیاب ماخذ کی روشنی میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حیات اور تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی تاریخ و تذکرہ کی کتابوں کے علاوہ شیخ کی اپنی تحریروں اور متفرق مذہبی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے اور آپ کی سیرت کا ایک جامع اور مستند مرقع تیار کیا ہے۔

اگلے چار ابواب میں شیخ رحمۃ اللہ کی تصانیف کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں آپ کے صوفیانہ افکار کا مربوط تجزیہ پیش کیا ہے جس میں ذاتِ باری، تخلیقِ کائنات اور روحانی انسان کے متعلق بیانات شامل ہیں۔ پانچویں باب میں انسان کے وجودِ روحانی کی ماہیت اور مقاماتِ عالیہ کا بیان ہے جنہیں شیخ رحمۃ اللہ 'الطائف العیدیہ' سے تعبیر کرتے ہیں۔ میں نے شیخ کے بیانات کی اس حقیقت سے تطبیق کی کوشش کی ہے کہ ان کے نزدیک اعلیٰ ترین انسانی درجہ و مرتبہ ربِ ذوالجلال کی ابدی بندگی سے عبارت ہے۔

اگلے دو ابواب حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے طریق سلوک سے بحث کرتے ہیں۔ چھٹے باب میں ان بنیادی عقائد کا ذکر ہے جو شیخ کے نزدیک راہِ سلوک کی بنیادی شرائط کا درجہ رکھتے ہیں، جبکہ ساتویں باب میں میں نے مراقبہ، تخلیہ یعنی چلہ کشی اور اوراد و ادعیہ کی ذیل میں آپ کی تعلیمات کا بیان کیا ہے۔

مستند مطبوعہ مواد کی عدم دستیابی کے باعث میں نے قلمی نسخہ جات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ خاص کر 'تفسیر نجم القران' کے ذیل میں سلیمانیہ لائبریری استنبول کے صحت علی پاشا کے ذخیرے میں موجود مستند ترین نسخے سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ضمیمہ الف میں تصنیفات سمنانی رحمۃ اللہ کا تذکرہ شامل ہے اور ہر تصنیف کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا ہے، جبکہ تفسیر نجم القرآن کے قلمی نسخے کے تحقیقی جائزے اور تفسیرِ قرآن کی تاریخ میں اس کی اہمیت کو خصوصی طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ کی حیات و تعلیمات کے بنیادی ماخذ:

خوش قسمتی سے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حیات کے متعلق کئی آزادؔ ماخذ میں سوانحی مواد دستیاب ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس دور میں شیخ رحمۃ اللہ کو نہ صرف مذہبی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل تھا بلکہ وہ سلطنتِ الخانید میں اپنے نمایاں سیاسی اثر ورسوخ اور ایک باثروت خاندان کا فرد ہونے کے باعث بھی تذکرہ نویسوں کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ علاوہ ازیں آپ کی اپنی تصانیف میں بھی آپ کی سیرت اور سوانح حیات کے متعلق بہت سا اہم مواد موجود ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ کو اپنے تجرباتِ وارداتِ روحانی کی اہمیت کا شدت سے اندازہ تھا چنانچہ انہوں نے ان تجربات کو اکثر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان سوانحی معلومات کا اہم مقصد مریدین کی تربیت اور صوفیائے متاخرین کی رہنمائی تھا۔ چونکہ آپ کے بیانات میں واقعات کے تاریخی اور تدریجی ارتقاء کی بجائے معاملاتِ تصوف کا ذکر زیادہ ہے اس لیے تحقیقی حوالے سے ان بیانات سے زیادہ اعتنا نہیں کیا جا سکتا۔ انفرادی بیانات میں ربط و ہم آہنگی کے باوجود بحیثیتِ مجموعی ان میں تضادات کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ دیگر تصانیف کے علاوہ آپ کا اہم ترین سوانحی خاکہ آپ کی تصنیف 'العروہ لاہل الخلوۃ والجلوۃ'

کی شکل میں موجود ہے، جس میں آپ نے اپنے روحانی سفر کی تفصیل بیان کی ہے۔ بعض فروگزاشتوں کے باوجود یہ تصانیف شیخ رحمۃ اللہ کی تلاشِ حق کی داستان کو احسن طریقے سے بیان کرتی ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ کی بعض ابتدائی تصنیفات کے زمانۂ تصنیف کا صحیح طور پر تعین کرنا دشوار ہے۔ غالباً آپ کی اولیں تصنیف جس میں سوانحی مطالب موجود ہیں 'الوارد الشارد' ہے جس کی تصنیف ۶۹۹ھ/ ۱۲۹۹۔۱۳۰۰ء میں مکمل ہوئی۔ اس تصنیف کا مقصد شیخ رحمۃ اللہ کے نزدیک مسالکِ اسلام میں سے صحیح ترین مسلک کا انکشاف اور فرقہ ہائے اسلام میں ناجی فرقے کی وضاحت ہے۔ اس تصنیف میں شیخ رحمۃ اللہ کی ابتدائے سلوک سے متعلق معلومات کے علاوہ بعض سوانحی متعلقات بھی شامل ہیں۔ ذاتی زندگی کی تفاصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ نے حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے اور خود اپنی خلافت وارشاد کی تفصیلات اور اپنے سلسلۂ تصوف کے بیان کو اہمیت دی ہے۔ دو دیگر تصانیف میں جو ۲۸ صفر ۷۱۴ھ/ ۱۳ جون ۱۳۱۴ء سے قبل کی ہیں، اسی نوع کے بیانات شامل ہیں۔ ایک اور تصنیف ہے جس کا زمانۂ تصنیف معلوم نہیں جبکہ 'رسالہ فتح المبین' شوال ۷۱۲ھ/ فروری ۱۳۱۳ء اور ۱۹ رمضان ۷۱۳ھ/ ۷ جنوری ۱۳۱۴ھ کے درمیان لکھا گیا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ نے دونوں رسائل میں اپنے دنیوی اقتدار کو خیر باد کہہ کر سلوک وتصوف کی راہ اپنانے کا ذکر کیا ہے۔ ایک اور رسالے میں آپ کے اساتذہ اور معاصرین کا تذکرہ موجود ہے۔

ایک اور رسالہ ''رسالہ فی الذکر اسماء مشائخ'' کے نام سے ہے، جس میں شیخ نے اپنے سلسلۂ بیعت اور خاص طور پر سلسلۂ کبرویہ سے خرقۂ تصوف پانے کا بیان کیا ہے۔ اسی نوع کا بیان ایک اور رسالے میں بھی ملتا ہے جس کا نام 'تذکرۃ المشائخ' ہے۔

مذکورہ بالا رسائل میں شیخ کے سوانحِ حیات کا معمولی فرق وتفاوت کے ساتھ اعادہ کیا

گیا ہے، جبکہ 'خود العروہ' میں بھی جو ایک ضخیم نثری تصنیف ہے اور جس کی شیخ رحمۃ اللہ نے خود اپنی زندگی میں دوبار نظر ثانی کی ہے، سوانحی معلومات موجود ہیں۔ 'العروہ' کی تکمیل شیخ رحمۃ اللہ کی زندگی کے آخری ایام میں ہوئی۔ چونکہ شیخ رحمۃ اللہ کی زندگی کے اصل واقعات اور اس کتاب کی تصنیف میں خاصا زمانی تفاوت ہے اور شیخ رحمۃ اللہ نے شعوری طور پر اسے سالکین کی ہدایت کے لیے ایک لائحہ عمل کے طور پر ترتیب دینے کی کوشش کی ہے، اس لیے اس کتاب کے مندرجات کو ثقہ قرار دینا مشکل ہے، چنانچہ اس کتاب میں جہاں ان کی خود نوشت سوانح میں ایک تسلسل اور ارتقاء کا عنصر پایا جاتا ہے وہاں ابتدائی زندگی کے بعض معمولات اور متعلقات سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

آپ کی تصنیف 'چہل مجلس' کے ضمن میں بھی یہی دشواری حائل ہے کیونکہ یہ زیادہ تر آپ کے ارشادات اور سیرت کے بیانات پر مشتمل ہے جسے چالیس متفرق مجالس کی شکل میں آپ کے مرید اقبال سیستانی نے مرتب کیا ہے۔ اس تصنیف پر عقیدت کا رنگ زیادہ غالب ہے، تاہم شیخ رحمۃ اللہ کے اپنے مریدین کے ساتھ معاملات اور آپ کے متعلق اُن کی عقیدت کا ذکر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ کی زندگی کے بارے میں مذکورہ خود نوشت رسائل کے علاوہ اولیں سوانحی معلومات صلاح الدین الصفادی (م ۷۶۴ھ/۱۳۶۲ء) کی سوانحی کتابوں 'کتاب الوافی بالوفایات' اور 'اعیان العصر' میں ملتے ہیں۔ صفادی کے بیانات جہاں مفصل ہیں وہاں مستند بھی ہیں اور ان میں سے بعض ان کے استاد شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) سے ماخوذ ہیں۔

ایک دوسری تصنیف جس میں شیخ رحمۃ اللہ کی حیات کا تذکرہ ملتا ہے، شافعی مسلک کی کتاب 'طبقات' ہے۔ جبکہ اسنوی (م ۷۷۲ھ/۱۳۷۰ء-۱۳۷۱ء) کی 'طبقات الشافعیہ' ایک جداگانہ

تصنیف ہے جس میں شیخ رحمۃ اللہ کا ذکرِ خیر موجود ہے۔اس کتاب کی وساطت سے شیخ رحمۃ اللہ نے دیگر شافعی تذکروں میں بھی جگہ پائی ہے، جن میں تقی الدین ابن قاضی شھبہ (م۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء) کا تذکرہ شامل ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ کا مختصر سا ذکر ابن رفیع (م۷۷۴ھ/۷۲۔۱۳۷۳ء) کی کتاب میں بھی موجود ہے جو سفادی کے بیانات سے ماخوذ ہے۔ابن الحجر عسقلانی (م۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) کی سوانحی کتاب میں 'طبقات الشافعیہ' سے زیادہ تفصیلی معلومات موجود ہیں لیکن یہ اطلاعات زیادہ تر سفادی سے ماخوذ ہیں اور سیرت نگاری کے تقاضوں پر پوری نہیں اترتیں۔'الضرار القامنہ' میں بھی گزشتہ اطلاعات ہی کا اعادہ ہے اور کوئی نیا انکشاف موجود نہیں۔البتہ 'طبقات المفسرین' اور 'شذرات الذہب' جیسی تصانیف میں اسی کتاب کا حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

الخانیدی اور تیموری دور کی سیاسی تواریخ میں بھی شیخ رحمۃ اللہ کی زندگی کے متعلق بہت سی معلومات موجود ہیں۔آپ کے خاندان کا تذکرہ الخانیدی دور کی ہر تاریخی کتاب میں موجود ہے۔حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی زندگی کے متعلق بعض حوالے 'تاریخ الجامع' 'تاریخ وصاف' اور 'تاریخ گزیدہ' میں موجود ہیں۔جبکہ یزدی کی 'ظفر نامہ' میں بھی بعض اشارے ملتے ہیں۔

فصیح احمد خوانی (م۸۴۹ھ/۱۴۴۵) کی 'مجمل فصیحی' حیاتِ سمنانی رحمۃ اللہ کے واقعات کے تاریخی اندراج کے باعث اہمیت کی حامل کتاب ہے۔خواندامیر کی 'تاریخ حبیب السیر' بھی اس سلسلے میں ایک مفید دستاویز ہے۔یہ ایرانی تاریخ کی اہم ترین اور معتبر ترین کتاب ہے جس میں حیاتِ سمنانی رحمۃ اللہ کا تفصیلی بیان موجود ہے۔

سیاسی تاریخ کی ان کتابوں کے علاوہ شیخ رحمۃ اللہ کی سیرت کے حوالے جغرافیۂ تاریخ کی کتابوں میں بھی ملتے ہیں جن میں اہم ترین 'ہفت اقلیم' اور 'ریاض السیاحہ' ہیں۔

مندرجہ بالا ماخذ حیاتِ سمنانی رحمۃ اللہ کے مطالعے کے ذیل میں خاص اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ یہ آزادانہ ذرائع سے شیخ رحمۃ اللہ کی حیات کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ان ماخذ میں نہ تو شیخ رحمۃ اللہ کی اپنی فراہم کردہ اطلاعات کو بنیاد بنایا گیا ہے اور نہ یہ کتابیں صوفیانہ روایت کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ سفادی کی تحریروں اور طبقات الشافعیہ میں شیخ رحمۃ اللہ کی غیر متصوفانہ زندگی کا تذکرہ بھی شامل ہے جس سے صوفیانہ تذکروں نے صرفِ نظر کیا ہے۔ جبکہ صوفیانہ تذکرے محض سلسلۂ کبرویہ سے شیخ رحمۃ اللہ کی وابستگی اور ابن عربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) کے مرید عبدالرزاق کاشانی (م ۷۳۶ھ/ ۱۳۳۵ء) سے شیخ رحمۃ اللہ کے تعلقات کے ذکر سے آگے نہیں بڑھتے۔

صوفیانہ ادب کے ماخذ میں ذکرِ سمنانی رحمۃ اللہ کے حوالے سے اہم ترین کتاب عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ (م ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء) کی تصنیف 'نفحات الانس' ہے۔ جامی رحمۃ اللہ نے اپنے بیانات کی بنیاد شیخ رحمۃ اللہ کے خودنوشت واقعات اور آپ کے مریدین خاص طور پر اقبال سیستانی کی مرتبہ 'چہل مجلس' کی فراہم کردہ اطلاعات پر رکھی ہے۔ جامی رحمۃ اللہ نے شیخ رحمۃ اللہ کی زندگی کے بہت سے واقعات قلمبند کیے ہیں لیکن ان میں سفادی کے سے تنقیدی شعور کا فقدان ہے۔

ابن الکربلائی کی 'روضات الجنان' میں مندرج شیخ رحمۃ اللہ کی زندگی سے متعلق مواد بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ ابن الکربلائی نے 'نفحات الانس' سے بھی استفادہ کیا مگر انہوں نے شیخ رحمۃ اللہ کے خودنوشت حالات سے بھی رجوع کیا ہے اور شیخ کے مریدین اور آپ کی تعلیمات اور دنیائے تصوف میں آپ کے مقام و مرتبہ کے تعین کے ذیل میں یہ تصنیف زیادہ گراں قدر ہے۔

بعد کے صوفیانہ تذکرے زیادہ تر جامی رحمۃ اللہ کی تحریر کے اعادے پر ہی اکتفا کرتے

102316

ہیں اور حیاتِ سمنانی رحمۃ اللہ کے ضمن میں ہماری معلومات میں مزید کوئی اضافہ نہیں کرتے۔ تاہم ان میں قابلِ ذکر داراشکوہ (م ۱۰۶۹ھ) کا تذکرہ 'سفینۃ الاولیاء' اور غلام سرور لاہوری کی 'خزینۃ الاصفیاء' ہیں۔ ان تذکروں کے بعد ایک اہم نام معصوم علی شیرازی کی تصنیف 'طرائق الحقائق' کا ہے۔ یہاں مصنف نے 'نفحات' جیسے تذکروں کے علاوہ خود شیخ رحمۃ اللہ کی کتابوں 'العروہ لاھل الخلوۃ والجلوۃ' اور 'چہل مجلس' وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے شاعرانہ مقام و مرتبے کے باعث شعراء کے تذکروں میں بھی آپ کا ذکر آیا ہے، جن میں دولت شاہ سمرقندی کا 'تذکرۃ الشعراء' اور رضا قلی خان کے تذکرے 'ریاض العارفین' اور 'مجمع الفصحاء' اہم ہیں۔ دولت شاہ کے بیانات کی بنیاد شیخ رحمۃ اللہ کی اپنی تصانیف پر ہے، جبکہ دیگر دو تذکروں میں 'نفحات الانس' کے اقتباسات شامل ہیں (سربدار تحریک اور سلسلۂ کبرویہ جس کا تشیع سے ایک موہوم سا تعلق ہے سے شیخ رحمۃ اللہ کی وابستگی کی بنا پر اہلِ تشیع کی سوانحی کتابوں میں بھی آپ کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء) کی 'مجالس المؤمنین' میں مندرج آپ کے حالات کی بنیاد جامی کی 'نفحات الانس' ہی پر ہے۔ تاہم شوستری ائمہ سے شیخ رحمۃ اللہ کی وابستگی کا ذکر حد درجہ مبالغے کے انداز میں کرتا ہے۔ جبکہ شوستری کے بیان کے برخلاف شیخ رحمۃ اللہ ایک طرف تو بنوامیہ سے برگشتہ نہیں ہیں، دوسری طرف آپ نے اہلِ تشیع کے خلفائے ثلاثہ اور زوجِ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں عدمِ احترام کے جذبات پر تنقید بھی کی ہے۔ 'مجالس المؤمنین' کے حوالے سے شیخ رحمۃ اللہ کے ذکر نے محسن الامین کی 'عیان الشیعہ' جیسی ضخیم تر کتابوں میں بھی جگہ پائی ہے)۔

جدید علمی تحقیق اور سمنانی رحمۃ اللہ کی روایت:

موجودہ صدی (بیسویں صدی) میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے مطالعے کی طرف کم توجہ دی گئی ہے۔ یہ امر حیران کن ہے کیونکہ شیخ رحمۃ اللہ نہ صرف الخانیدی ایران

کے عظیم ترین دانشور ہیں بلکہ ابوسعید کے عہد میں مذہبی دنیا میں انہیں سند کا درجہ حاصل رہا ہے۔ تاہم بیسویں صدی کے آخری عشرے میں شیخ رحمۃ اللہ کی تصانیف اور سوانح کی اشاعت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ تاہم آپ کی حیات اور افکار کا ایک مکمل تجزیاتی مطالعہ تاحال نہیں ہوسکا ہے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ پر پہلا جدید علمی مقالہ فارسی زبان میں سعید نفیسی نے تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد سید مظفر صدر نے ایک مقالہ شرح احوال وافکار وآثار شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے نام سے لکھا۔ یہ دونوں کاوشیں اس اعتبار سے اہم ہیں کہ ان میں شیخ رحمۃ اللہ کو کبرویہ سلسلے میں شامل کیا گیا ہے لیکن صوفیانہ تذکروں پر ضرورت سے زیادہ انحصار نے ان کے پایۂ استناد کو کمزور بنادیا ہے۔

مول نے سمنانی رحمۃ اللہ کا تذکرہ آپ کی شیعیت سے وابستگی کے تناظر میں کیا اور کچھ مدت بعد نظیف ساہنوگلو نے حیاتِ سمنانی رحمۃ اللہ پر مقالہ تحریر کیا۔ علاوہ ازیں ہنری کاربن نے اپنی اہم تصنیف En Islam Iranien میں شیخ رحمۃ اللہ کے صوفیانہ افکار کا مطالعہ پیش کیا۔ ہرمن لینڈولٹ نے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ اور آپ کے اپنے مرشد حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ سے تعلقات کے باب میں مزید معلومات فراہم کی ہیں۔

ماضی قریب میں ہنری کارٹ نے 'چہل مجلس' کے تجزیاتی مطالعے کے ساتھ حضرت شیخ رحمۃ اللہ کے مختصر سوانح بھی شامل کیے ہیں۔ نیز ایران میں مطالعہ سمنانی رحمۃ اللہ کے بڑھتے ہوئے رجحان کے نتیجے میں عبدالرفیع حقیقت نے اپنی تصنیف 'خمخانہ وحدت' میں شیخ کی حیات پر مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس ضمن میں نجیب مائل ہروی کے سوانحی خاکوں کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے جنہوں نے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی تصانیف کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

مذکورہ بالا کاوشوں کے علاوہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کا مطالعہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں فرٹز میئر اور جوزف وان ایس کے مقالے کی صورت میں شامل ہے جو ایک مستند اور معتبر حوالہ ہے۔ ☆

باب دوم

حیات و عہدِ سمنانی رحمۃ اللہ

ابوالمکارم رکن الدین علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ بن محمد بن احمد البیابانکی السمنانی ذوالحجہ ۶۵۹ھ بمطابق نومبر ۱۲۶۱ء میں قریہ بیابانک کے ایک باثروت ایرانی خاندان میں متولد ہوئے۔ یہ گاؤں سمنان سے تقریباً پندرہ کلومیٹر شمال مغرب میں شہر رے (تہران) کی جانب واقع ہے۔ ملا جامی رحمۃ اللہ کے بیان کے مطابق آپ کے آباؤ اجداد ملوکِ سمنان میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے والد اور چچا بھی ملک کے لقب سے جانے جاتے تھے اور یہ خاندان سمنان کا دوسرا بڑا جاگیردار گھرانہ تھا، جبکہ سمنانی رحمۃ اللہ کے عہد میں سب سے بڑے جاگیردار سید ابراہیم سمنانی تھے۔ یہ بھی ایک صوفی بزرگ تھے اور حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ سے دس برس قبل وفات پائی۔ سید ابراہیم کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے اشرف جہانگیر سمنانی ان کے جانشین بنے جنہوں نے اپنی ساری دولت اور جائیداد چھوٹے بھائی سید عماد الدین کے حوالے کی اور خود حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی مریدی اختیار کرلی اور آپ کے بعد عبدالرزاق کاشانی کے مرید ہوئے۔

شیخ رحمۃ اللہ کا خاندان سنی العقیدہ تھا اور خراسان کی اشرافیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ خاندان ہر عہد میں صلح و آشتی کے اصول پر عمل پیرا رہا اور وقت کے حکمرانوں کا ساتھ دیتا رہا۔ نسبت مادری کے اعتبار سے آپ کا تعلق ضیاء الملک محمد بن مودود سے ہے جو محمد خوارزم شاہ کا درباری تھا جب منگولوں نے جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست دے کر دریائے سندھ کے پار دھکیل دیا تو یہ بھی اس کی ملازمت میں تھا۔ آپ کے ماموں خواجہ رکن الدین سائین قاضی جملات الممالک کے عہدے پر فائز تھے جنہیں غزان کے حکم سے ۲۲ ذوالحج

۷۰۰ھ/ ۲۸ اگست ۱۳۰۱ء کو تہِ تیغ کیا گیا۔ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے پڑ دادا ضیاء الدین بیابانکی سمنانی کا تعلق دربارِ خوارزم سے تھا جنہیں علاؤ الدین محمد نے ۵۹۶ھ/ ۱۲۰۰ء میں اپنا وزیر مقرر کیا۔ شیخ رحمۃ اللہ کے والد ملک شرف الدین اور چچا جلال الدین مخلص نے ارغون کے دربار میں ملازمت اختیار کی جب وہ خراسان پر حاکم تھا۔ آپ کے والد عراق کے الوغ تیکچی یعنی محافظوں کے سردار اور صاحب دیوان کے علاوہ بغداد کے ملک کے عہدے پر فائز تھے، جبکہ آپ کے چچا ۶۸۳ھ/ ۱۲۸۴ء میں وزیر بنے اور شمس الدین محمد بوقا کی وفات پر ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۶ء میں ایران کے وزیر کے عہدے پر ترقی پائی لیکن ۶۹۷ھ/ ۹۸۔۱۲۹۷ء میں انہیں اس عہدے سے معزول کیا گیا اور اگلے سال قتل کر دیا گیا۔

چنانچہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کا خاندان ماں باپ دونوں طرف سے درباری سیاستوں اور ریشہ دوانیوں میں ملوث تھا۔ رکن الدین سائیں سعد الدین محمد عواجی سے عداوت رکھتے تھے جو جمال الدین دستگیرداني کے بعد غازان کا وزیر بنا تھا اور شاید یہی عداوت ان کے انجام کا باعث بنی۔ شرف الدین اور جلال الدین سمنانی امیر نوروز جیسے ارغون کے وفادار ساتھیوں سے وابستگی رکھتے تھے، جن پر غازان کے عہد میں مملوکوں کے ساتھ سازباز کا غلط الزام تھا۔ یہ حضرات ارغون عہد کے سب سے اہم حاکم سعد الدولہ (م ۶۹۰ھ/ ۱۲۹۱ء) کے قہر و غضب کا نشانہ بھی بنے۔

ارغون نے مسلمان خصوصاً سنی درباریوں کے ساتھ متعصبانہ رویہ روا رکھا اور ان کی جگہ جہاں تک ممکن ہو سکا یہودیوں اور عیسائیوں کو تعینات کیا۔ اس کا معتمدِ خاص صفی الدین ابہری کا بیٹا سعد الدولہ تھا۔ سعد الدولہ نے بطورِ وزیر جلال الدین سمنانی رحمۃ اللہ کی جگہ لی تھی مؤخر الذکر کو سعد اللہ کے خلاف سازش کے پاداش میں معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سعد الدولہ الخان کے بعد طاقتور ترین حکمران بن گیا۔ اس نے

اپنے اہلِ خاندان کو اہم عہدوں پر فائز کیا، مثلاً اپنے بھائی فخر الدولہ کو بغداد کا گورنر بنایا، جبکہ دوسرے بھائیوں کو دیارِ بکر، ربیعہ اور آزربائیجان کا اور ایک چچازاد بھائی کو فارس کا حاکم مقرر کیا۔ سعد الدولہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا تھا اور مسلمانوں کو اہم درباری عہدوں پر فائز کرنے سے ارغون کو باز رکھتا تھا۔

ابتدائی زندگی اور آغازِ سلوک:

حضرت شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے اہلِ خاندان کے احوال کے ذکر سے یہ باور کرنا قرینِ قیاس ہوگا کہ خود شیخ رحمۃ اللہ کو بھی الخانیدی دربار میں ایک کلیدی عہدے پر فائز ہونا تھا۔ جب آپ چار برس کے تھے تو آپ کے والد نے آپ کو ایک مقامی اتالیق صدر الدین اخفش کے سپرد کیا جن کے ہاں آپ تقریباً گیارہ سال تک زیرِ تعلیم رہے۔ یہ غالباً وہی اخفش ہیں جو قواعد کے استاد تھے اور جن کا ذکر چہل مجلس میں سید اخفش کے نام سے کیا گیا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ نے اپنی تحریروں میں اخفش کے تصوف و سلوک کے بارے میں شدید مخالفانہ اور معاندانہ رویے کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ شیخ رحمۃ اللہ کو ابتدائی زندگی میں تصوف و سلوک کی تربیت حاصل نہیں ہوئی، لیکن دورِ طفولیت میں ہی آپ کا بعض صوفیہ سے رابطہ ضرور رہا۔ سید ابراہیم سمنانی رحمۃ اللہ کے علاوہ اور بھی سیاح اولیاء جو سمنان سے گزرے، شیخ نے ان کی صحبت سے فیض پایا۔ ان اولیاء کے ناموں اور احوال کا تعین مشکل ہے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اولیں بزرگ سیاوش الشیر وانی تھے، جو ترکستان سے اس وقت وارد ہوئے جب سمنانی رحمۃ اللہ کی عمر گیارہ سال تھی اور عازم اصفہان ہونے اور چار سال بعد واصل بحق ہونے سے قبل وہ سمنان میں ایک برس مقیم رہے۔ چودہ برس کی عمر میں آپ ایک اور صوفی بزرگ مہدی حاجی سے ملے اور ابہر میں حاجی ابہری سے ان کی مسجد میں جا کر ملاقات کی۔ پندرہ برس کی عمر میں اپنے چچا کی تحریک پر آپ ارغون کے دربار سے منسلک ہوئے

جو بدھ مت کا راسخ العقیدہ پیرو تھا اور اسلام کے بارے میں معاندانہ رویہ رکھتا تھا۔ تبریز میں آپ کی درباری زندگی کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہیں سوائے اس کے کہ بدھ راہب یا بخشیان اس دربار میں اہم عہدوں پر فائز تھے اور ارغون کی حمایت میں مسلمان علماء سے بحث و مباحثہ کا بازار گرم کیے رکھتے تھے۔

کوچۂ تصوف میں قدم:

۱۶ صفر ۶۸۳ھ/۴ مئی ۱۲۸۴ء کو حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے قزوین سے باہر اقواجہ کے مقام پر ارغون اور الیناق کے درمیان برپا ہونے والے ایک معرکۂ کارزار میں حصہ لیا۔ مؤخر الذکر احمد تاقودار کا سپہ سالار اور داماد تھا۔ اس وقت شیخ رحمۃ اللہ کی عمر چوبیس سال تھی۔ جب فوجیں صف آراء ہوئیں اور شیخ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تو عین اسی وقت آپ ایک واردات روحانی سے دوچار ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے تکبیر بلند کی اللہ تعالیٰ نے اس دنیوی حجاب کو میرے آنکھوں سے ہٹا دیا اور اور اخروی زندگی کے حسن اور رعنائی کو عیاں اور آشکارا کر دیا۔" یہ روحانی تجربہ اس لڑائی کے دوران اور اگلے روز بھی باقی رہا اور پھر بتدریج سطحِ اعتدال پر آ گیا۔

میدانِ جنگ میں پیش آنے والی یہ روحانی واردات شیخ رحمۃ اللہ کی مذہبی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ یہی واقعہ ان کے راہِ سلوک پر گامزن ہونے کا باعث بنا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ کی تمام اہم خودنوشت سوانحی تحریروں میں اس واقعے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ صوفیانہ تذکروں میں بھی اس واقعے کی اہمیت کا بیان آیا ہے۔ اس روحانی واردات کے ذریعے شیخ کو حقائق اشیاء کی صحیح معرفت کا موقع میسر آیا۔ یہ احساس اس قدر شدید تھا کہ وہ خود کو مزید قتال و حرب میں مصروف نہ رکھ سکے، جیسے خدا نے اس جنگ و جدل کے راستے میں ان کے سامنے ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہو تا کہ وہ اس قتل و غارت سے باز رہ سکیں۔

آپ فرماتے ہیں "جب خدا تعالیٰ نے میرے قلب پر نور الارادہ کا نزول فرمایا اور مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کیا میری روح اس دنیا کی لذتوں سے یکسر برگشتہ ہو گئی اور میں سلطان کی مصاحبت سے بیزار ہو گیا۔" اس واقعے کے بعد ماضی کی غلطیوں خصوصاً ارغون کے دربار سے وابستگی کی خلش نے ایک مدت تک انہیں بے چین رکھا جس کا اظہار ان کی بعد کی تصانیف میں ہوا ہے۔ اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ ایک اور روحانی تجربے سے گزرے جب عالمِ رویا میں آپ کو سرورِ کونین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ کی زیارت ہوئی۔ اس واقعے کے بعد شیخ رحمۃ اللہ نے ماضی کی فروگزاشتوں کے ازالے کے لیے سخت ریاضت اور مجاہدہ شروع کیا۔ آپ ہر رات جوانی میں فوت شدہ دس دنوں کی نمازوں کی قضا پڑھتے اور ہر روز قرآن پاک کی پانچ آیتیں حفظ کرتے تھے۔ اسی اثناء میں آپ کو مرشدِ حقیقی کی تلاش ہوئی اور اس راہ میں جو دو اولیں رہبر ملے وہ مہدی کیا اور خواجہ حاجی تھے، جن میں سے اول الذکر بزرگ علائق دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کر کے عامل کے مقام پر خلوت نشین ہو گئے تھے جبکہ مؤخر الذکر نے ابہر میں زہد و تقویٰ کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ قرین قیاس ہے کہ یہ وہی سیاح اولیاء ہیں جن کا ذکر مہدی حاجی اور حاجی ابہری کے نام سے آیا ہے اور جن کی صحبت سے شیخ رحمۃ اللہ جوانی میں فیضیاب ہوئے تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ نے در پردہ خواجہ حاجی سے ارغون کے دربار کی ملازمت ترک کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن خواجہ نے یہ کہہ کر آپ کو اس خیال سے باز رکھا کہ خدا تعالیٰ کے حضور ہماری دعا ہے آپ کی موجودگی کے طفیل شاید سلطان کے دربار میں مزید لوگ زمرۂ اہلِ حق میں شامل ہو جائیں۔ شیخ رحمۃ اللہ نے اس ہدایت پر عمل کیا اور تبریز میں مزید ڈیڑھ سال تک زہد و تقویٰ اور مجاہدہ و ریاضت کی زندگی جاری رکھی۔ آپ نے توبہ کی، مے نوشی ترک کی اور اپنے شب و روز نماز اور حفظِ قرآن میں گزارتے رہے۔ اس

عبادت اور ریاضت میں شرف الدین حسن بن عبداللہ قروانی آپ کے شریک تھے۔

سخت مجاہدے اور ریاضت کے باعث آپ بیمار پڑ گئے اور سلطان کے معالج آپ کی بیماری کے علاج سے قاصر ہو گئے۔ آپ ارغون کی اجازت سے سمنان تشریف لے گئے۔ شیخ رحمۃ اللہ ۱۲ شعبان ۶۸۵ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۲۸۶ء کو اردوئے الجاتیو سے روانہ ہوئے اور اسی سال رمضان شریف کے مہینے میں سمنان پہنچے۔ تبریز سے کچھ دُور جانے کے بعد ہی آپ کا بخار تیز ہو گیا اور آپ الجان کے مقام پر یخ بستہ پانی میں کچھ دیر بیٹھے رہے۔ جب پانی سے باہر نکلے تو خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی اور فضلِ خداوندی سے مکمل طور پر شفایاب ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے بغیر کسی معالج کے وسیلے کے میرے ظاہری جسم کو شفایاب فرمایا اسی طرح مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرے باطنی وجود کو بھی حب دنیا اور ہوائے نفسانی کی پیروی کے امراض سے شفا بخشے گا۔

یہ شیخ رحمۃ اللہ کا تیسرا روحانی تجربہ تھا اور آپ کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے راہِ ہدایت پر آپ کی رہنمائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اوائل رمضان میں آپ واردِ سمنان ہوئے تو آپ نے لباس و خلعتِ شاہی کو یکسر خیر باد کہہ دیا اور علائق دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے حضرت حسن سکاک رحمۃ اللہ کے مزار پر لباسِ فقر و تصوف زیب تن کیا۔

شیخ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ نے ارغون کی ملازمت اختیار کی، علومِ عقلی و نقلی پر آپ کو عبور تھا لیکن بدقسمتی سے دینی تعلیم قرآن مجید کی چھ مختصر سورتیں یاد کرنے سے کچھ آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے آپ نے فقہ و قانون کا مطالعہ شروع کیا اور اہلِ ہند، اہلِ یونان، ترک، ایرانی اور عرب قوموں کے نظامہائے عقیدہ و فکر کا بھی مطالعہ کیا نیز اہلِ سنت کی تعلیمات سے بھی آگاہی حاصل کی۔ آپ نے بہت سے اسلامی فرقوں مثلاً قلندریہ، ابن العربیہ اور نصیریہ وغیرہ کے عقائد و اعمال کا بھی مطالعہ کیا، مگر آپ کی

تسلی کسی طور نہ ہو سکی۔ مرشد کی عدم موجودگی میں آپ نے کتب تصوف سے روحانی علوم اخذ کرنے کا فیصلہ کیا اور ابو طالب مکی کی تصنیف 'قوت القلوب' کا خصوصیت سے مطالعہ کیا۔ اس مطالعے اور جستجو کے باوجود آپ کی تشفی نہ ہو سکی کیونکہ اب تک دین کا جو علم بھی حاصل کیا تھا وہ کتابی اور عقلی تھا، جبکہ مشاہدہ اور کشفِ باطن کو اس میں عمل دخل نہ تھا۔ محرم ۶۸۶ھ/ فروری ۱۲۸۷ء تک آپ اسی باطنی کشمکش اور عدم اطمینان کا شکار رہے یہاں تک کہ آپ ایک اور عظیم روحانی تجربے سے دوچار ہوئے۔

حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ سے ملاقات:

تصوف کی تعلیم کے ابتدائی دنوں میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ اپنے طور سے مجاہدے اور ریاضت میں مصروف رہے۔ ان دنوں آپ روزانہ تین سو رکعت نماز ادا کرتے اور بارہ ہزار بار ذکر کرتے جو تسبیح تہلیل اور تکبیر پر مشتمل تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کے ایک مرید اخی شرف الدین سعد اللہ الہناوی رحمۃ اللہ خراسان سے بغداد جاتے ہوئے سمنان میں وارد ہوئے۔ ان کے زمانہ ورود کا قطعی تعین مشکل ہے، تاہم تین ممکنہ تاریخوں میں رمضان ۶۸۶ھ/ اکتوبر ۱۲۸۷ء کے اوائل میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ سے ان کی ملاقات زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

حضرت اخی شرف الدین کے احوال کا صحیح تعین بھی مشکل ہے۔ تاہم اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے تین بار حج کیا تھا اور کعبہ شریف سے قربت کی خاطر مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے تھے اور مختلف صوفیا کی خدمت میں وقت گزارا تھا۔ مکہ میں قیام کے دوران ہی وہ حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کے مرید بنے۔ حضرت شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ خراسان کی طرف عازم سفر ہوں اور جب ایک ایسے صاحب شرف سے ملاقات ہو جسے جذبہ مکرمۂ حق کا تجربہ ہوا ہو تو اس کی صحبت اختیار کرے اور خدمت گزاری اپنائے۔

قیامِ سمنان کے دوران اخی شرف الدین حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے ساتھ عبادت و دعا میں شریک رہے۔ اخی نے آپ کو حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی کے طریقِ ذکر سے آگاہ کیا۔ شیخ رحمۃ اللہ اس کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک دن جب دونوں حضرات مشغول عبادت تھے تو آپ نے دیکھا اخی شرف الدین رحمۃ اللہ دورانِ ذکر اپنے سر کو دائیں بائیں ہلا رہے ہیں۔ جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو شیخ رحمۃ اللہ نے اخی سے استفسار کیا کہ کہیں سر کو بار بار ہلانے کی وجہ کوئی درد یا عارضہ تو نہیں ہے۔ اخی نے جواب دیا کہ ایسا نہیں بلکہ یہ ان کا طریقۂ ذکر ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ نے اخی کی سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ ذکر کا بہتر طریقہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ہے اور وہ ہے (ترجمہ:) ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ملک الحق المبین ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں اور جس چیز کا اس (اللہ) نے وعدہ فرمایا اس کے باب میں وہ صادق اور امین ہیں۔'' اخی نے جواب دیا کہ ان کا طریقۂ ذکر ان کے شیخ کا تعلیم کردہ ہے اور وہ اس میں کسی تبدیلی کے مجاز نہیں۔ پھر سر کو ہلانے کی اہمیت کا بیان کرتے ہوئے کہا:

> ''لا الٰہ کے ساتھ میں غیر اللہ کی نفی کرتا ہوں اور الا اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں مستحکم کرتا ہوں۔ میں حرکت اس لیے کرتا ہوں کہ کہ قوتِ ذکر اس قلبِ مادی کی طرف راجع ہو جو سینے میں موجود ہے۔ اس طرح قلبِ مادی اور قلبِ باطنی کے درمیان حقیقی شفافی پیدا ہوتی ہے اور قلبِ باطنی سے جسمِ ظاہری پر نورِ ایمان کی ایک کرن پڑتی ہے۔''

یہ سنا تو شیخ رحمۃ اللہ نے اخی رحمۃ اللہ سے یہ طریقۂ ذکر سکھانے کی درخواست کی، اور اسے اختیار کرنے کے بعد پہلی ہی رات آپ کو ایسا گہرا باطنی تجربہ ہوا کہ آپ ہوش کھونے کے قریب ہو گئے۔ آپ نے اس حال کا ذکر اخی سے کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ عام طور پر

سالکوں کو طویل ریاضت کے بعد ہی ایسا تجربہ نصیب ہوتا ہے۔ اس پر آپ نے اخی سے ان کے شیخ طریقت کے متعلق استفسار کیا اور یوں پہلی بار حضرت نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کے اسم مبارک سے آشنا ہوئے اور اخی کے بیان کردہ طریقوں کے مطابق حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ کے طریق سلوک کے موافق اعمال و وظائف بجالاتے رہے۔

اخی شرف الدین رحمۃ اللہ کی صحبت اور اپنے روحانی تجربات کی بنا پر شیخ رحمۃ اللہ اس نتیجے پر پہنچے کہ روحانی ترقی کے لیے علائق دنیوی مثلاً مال، جائیداد حتیٰ کہ اہلِ خاندان سے بھی کنارہ کشی ضروری ہے۔ چنانچہ شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تمام مال و دولت خدا کی راہ میں دینے کے بعد فقر اور زہد و تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔ عروہ میں آپ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ماہِ رمضان ۶۸۵ھ/ اکتوبر ۱۲۸۶ء میں ہی آپ تمام علائق سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ''میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں اپنی تمام دولت خدا کی راہ میں دے دوں۔ جن جن کے حقوق میرے اوپر تھے میں نے وہ ادا کیے۔ وہ تمام دولت جس کے متعلق مجھ علم نہیں تھا کہ کیسے حاصل ہوئی ہے میں نے امورِ دینی اور صدقہ و خیرات میں صرف کر دی۔ میں نے سب غلاموں اور باندیوں کو آزاد کر دیا۔ اپنی اہلیہ اور بیٹے کو میں نے اس سے بڑھ کر دیا جتنا مجھے میرے باپ سے ملا تھا اور میں نے حضرت حسنِ سکاکی رحمۃ اللہ کے نام پر خانقاہِ سکاکیہ تعمیر کی۔''

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے اپنے املاک کا قبضہ برقرار رکھا تھا۔ آپ کی اراضی سے نوے ہزار درہم سالانہ آمدنی ہوتی تھی جسے آپ راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ ابن حجر عسقلانی کا خیال ہے کہ شیخ نے کچھ جائیداد تقسیم کر دی تھی جبکہ اپنے بعض ذرائع آمدن پر وہ متصرف رہے اور ۷۰۹ھ/ ۱۰-۱۳۰۹ء میں حضرت شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ کی خانقاہ کے لیے آپ نے پانچ ہزار درہم کی رقم بھجوائی۔

اخی شرف الدین رحمۃ اللہ کے بتائے ہوئے طریق سلوک پر کئی ماہ عمل پیرا رہنے کے بعد شیخ رحمۃ اللہ کے دل میں حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ سے بالمشافہ ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی، چنانچہ آپ کے اپنے بیان کے مطابق آپ محرم ۶۸۶ھ/فروری ۱۲۸۷ء میں شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ سے ملاقات کے لیے سمنان سے بغداد روانہ ہوئے لیکن قرینِ قیاس یہ ہے کہ آپ نے اگلے برس محرم میں یہ سفر اختیار کیا۔ اس بات کی خبر جب ارغون کو ملی تو اس نے آپ کو ہمدان میں روکنے کے لیے ایک فوجی دستے کو حکم دے کر بھیجا کہ اگر ضروری ہوا تو آپ کو شرویاز (نزدِ تبریز) لایا جائے جہاں یہ الخانیدی بادشاہ اپنا نیا دارالسلطنت قائم کرنے میں منہمک تھا۔ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کو چالیس روز تک دربار میں روکا گیا اور ہندوستان، کشمیر اور تبت کے بدھ راہبوں کے ساتھ زبردستی مذہبی مناظرے کروائے گئے۔ اس وقت ارغون دربار میں جلال الدین سمنانی وزیر تھے اور رکن الدین سائیں ندیم شاہی کے عہدے پر فائز تھے۔

اگرچہ یہ وجہ معلوم نہیں ہو سکی کہ ارغون نے شیخ رحمۃ اللہ کو دربار شاہی میں بلانے میں زبردستی کیوں کی لیکن قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عمل میں خود ارغون کے دل میں شیخ رحمۃ اللہ کے لیے موجود محبت کارفرما تھی۔ جب آپ کو ہمدان سے لایا گیا تو ارغون نے دوستانہ انداز میں بات کرنے کی کوشش کی لیکن شیخ رحمۃ اللہ نے مکمل سکوت اختیار کیا۔ آپ کے چچا جلال الدین اور دوسرے درباریوں نے آپ کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ان کی طرح ارغون کے درباری ہیں اور یہ کہ بادشاہ کی بات کا جواب نہ دینا گستاخی ہے۔ بعد ازاں ارغون نے ایک بدھ راہب کو بلایا اور شیخ رحمۃ اللہ سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن شیخ رحمۃ اللہ نے جلد ہی بدھ راہب کو شکستِ فاش سے دوچار کیا اور باور کروایا کہ وہ بدھ مذہب کی تعلیمات کی اصل روح سے ہی ناواقف ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ کی اس کارکردگی سے خوش ہو کر ارغون نے آپ کو

دربار میں رہنے کا کہا مگر آپ اس سے انکاری ہوئے۔ بعد میں ارغون آپ کو ایک باغ میں لے گئے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اسلام دینِ حق نہیں ہے تاہم اگر شیخ رحمۃ اللہ چاہیں تو وہ راہِ تصوف پر گامزن رہتے ہوئے بھی دربار میں قیام کر سکتے ہیں۔ یقیناً اس پیشکش سے ارغون کے دل میں آپ کے لیے موجود محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ نے بادلِ نخواستہ دربار میں رکنے کی حامی بھری لیکن جب ارغون نے آپ کو بغداد جانے کی اجازت سے انکار کیا تو آپ اس کی اجازت کے بغیر ہی سمنان واپس آ گئے اور اخی شرف الدین کو حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کی خدمت میں بغداد روانہ کیا۔

جب شیخ رحمۃ اللہ کے چچا جلال الدین کو آپ کی اچانک سمنان روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے ایک صوفی حاجی عاملی کو ارغون کی اجازت سے سمنان روانہ کیا کہ وہ آپ کو شیخ رحمۃ اللہ اسفرائنی کے حلقۂ اثر سے دور رکھنے اور عازمِ بغداد ہونے سے منع کرنے کی کوشش کرے۔ شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس شخص کو پہلے سے ہی ناپسند فرماتے تھے اور عالمِ رویا میں اسے ایک سانپ کے روپ میں دیکھا تھا جو آپ کے چچا کے خیمے میں داخل ہو رہا تھا۔ دورانِ سفر شیخ کو اس شخص کے ملحدانہ عقائد کا یقین ہو گیا اور آپ نے اپنے ترک ملازم کو اس کے قتل کا اشارہ دے دیا۔ موت کے خوف سے عاملی نے اپنے عقائد سے بیزاری کا اظہار کیا اور اپنی وہ سب کتابیں نذرِ آتش کر دیں جو اس کے استاد عفیف الدین مصری نے اسے دی تھیں۔

اخی شرف الدین شیخ رحمۃ اللہ کے وارِدِ سمنان ہونے کے کئی ماہ بعد اواخرِ ماہِ شعبان میں بغداد سے سمنان واپس آئے اور شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ کا آپ کے لیے یہ پیغام لائے کہ فی الوقت بالمشافہ ملاقات ضروری نہیں ہے بلکہ آپ اخی شرف الدین کی وساطت سے شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ کی رہنمائی میں سمنان میں ہی رہتے ہوئے اعمال و وظائف جاری رکھیں۔ شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ نے آپ کو خلوت اختیار کرنے کی اجازت عطا فرمائی اور آپ کے روحانی

تجربات، مشاہدات اور معائنات پر مشتمل ایک خط کا جواب بھی ارسال کیا جس میں ان احوال کی تشریح درج تھی۔ شیخ رحمۃ اللہ نے آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے آپ کو ایک خرقۂ ملمع بھی ارسال کیا۔

شیخ رحمۃ اللہ نے پہلی بار رمضان ۶۸۸ھ/ ستمبر ۱۲۸۹ء میں بغداد پہنچ کر حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضری دی۔ ۲۶ رمضان/ ۱۱۳ کتوبر تک آپ مسجدِ خلیفہ میں گوشہ گیر رہے اس کے بعد اسفرائنی رحمۃ اللہ کے حکم سے حج بیت اللہ کی ادائیگی کی غرض سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد آپ محرم ۶۸۹ھ/ جنوری ۱۲۹۰ء میں بغداد واپس آئے اور حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ کی سنت کے مطابق دو ہفتے کے اعتکاف کی نیت سے شونیزیہ میں داخل ہوئے۔ مکہ سے واپسی پر شیخ رحمۃ اللہ کو اپنے چچا ملک جلال الدین کے قتل کا علم ہوا۔ آپ نے مزید ایک ماہ اپنے شیخ رحمۃ اللہ کی صحبت میں گزارا جس کے بعد آپ کو دوسرا خرقہ عطا ہوا اور شیخ رحمۃ اللہ نے آپ کو مریدین سے بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے بعد شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ نے آپ کو بغداد واپس جا کر اپنی ماں کی خدمت کرنے کا حکم دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حضرت شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ سے ملاقات ہوئی تو ہر دو حضرات کے خاندان سیاسی آشوب میں گھرے ہوئے تھے تاہم خود سمنانی رحمۃ اللہ کی تحریروں سے اس کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ قرائن یہی بتاتے ہیں کہ شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ کو عین اس وقت حج بیت اللہ کے لیے بھیجنا جب آپ کے والد قید کر دیے گئے تھے اور چچا کو معزول کر کے شہید کر دیا گیا تھا، مصلحت کا تقاضا تھا۔ علاوہ ازیں شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ نے آپ کو یہ بھی حکم دیا کہ آپ مدینہ منورہ کی بھی زیارت کریں اور واپسی پر عراقی حجاج کے کاروان کے ساتھ واپس آئیں تا کہ اس طور سے آپ کے سفر کا دورانیہ طول

اختیار کر جائے۔ اس پر مستزاد شیخ اسفرائنی کا آپ کو اپنی والدہ کی خدمت کے غرض سے سمنان جانے کا حکم دینا بھی اسی قرینے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس وقت غازان اور ملوک کے درمیان کشمکش عروج پر تھی اور ۶۹۸ھ/۱۲۹۹ء میں شام پر مختصر مدت کے لیے قابض رہنے کے باوجود الخانیدوں کی کمزوری واضح ہو چکی تھی۔ منگول دربار کے دیگر سنی زعما کی طرح شیخ رحمۃ اللہ کے والد اور چچا پر بھی ملوک کے ساتھ ساز باز کا شبہ تھا۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کو بغداد سے دُور رکھنا چاہتے تھے جو ان دنوں سیاسی آشوب اور بدامنی کا شکار تھا۔

سمنان میں قیام:

سمنان واپسی کے بعد حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے خود کو اپنی تعمیر کردہ خانقاہِ سکاکیہ سے وابستہ کر لیا۔ بعد ازاں آپ نے اپنے آبائی علاقے بیابانک کے باہر صوفی آبادِ خداداد کے نام سے ایک عظیم خانقاہ تعمیر کرائی۔ یہاں آپ اخی شرف الدین کی وساطت سے حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کی رہنمائی میں خلوت گزیں ہو کر ہمہ تن عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اس دوران آپ نے خود بھی مریدین کی رشد و ہدایت کا کام شروع کر دیا اور آپ کے مریدوں کی تعداد چالیس ہو گئی۔ شیخ رحمۃ اللہ اپنے اہلِ خاندان کی دنیاداری خصوصاً الخانید حکمرانوں سے ان کے ربط وضبط کے باعث کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے شام کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا لیکن شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ نے آپ کو اس ارادے سے باز رکھا۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے اس مدت میں کثرت سے اعتکاف یا اربعینات بجالائیں چنانچہ خانقاہِ سکاکیہ کے اندر آپ ایک سو چالیس بار اور خانقاہ کے باہر مختلف مقامات پر ایک سو تیس بار اعتکاف نشین ہوئے۔ آپ نے اس دوران الخانیدی دربار

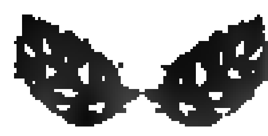
سے مسلسل دُوری اختیار کیے رکھی کیونکہ بادشاہ کو آپ کا شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ سے تعلق پسند نہ تھا۔ شیخ رحمۃ اللہ نے اپنے مرشد سے مسلسل رابطہ رکھا۔ شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ اور آپ کے درمیان ہونے والی مکتوب نگاری میں جہاں راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کے باب میں آپ کے سوالات کے جواب موجود ہیں، جن سے کہ مرید اور مرشد کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے، بلکہ ان میں بغداد میں شیخ اسفرائنی کے حلقۂ ارادت میں موجود مریدین و متعلقین، نیز اس دور کی سیاسی فضا کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

سلطان ابوسعید (۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء تا ۷۲۵ھ/۱۳۳۵ء) کے عہدِ حکومت تک الخانیدی دربار کے ساتھ شیخ رحمۃ اللہ کے تعلقات کشیدہ رہے۔ آپ کے چچا رکن الدین کو غازانؒ کے حکم سے ۷۰۰ھ/۱۳۰۱ء میں قتل کر دیا گیا۔ ۷۰۵ھ/۱۳۰۵ء میں ان تعلقات میں عارضی طور پر بہتری اس وقت پیدا ہوئی جب الجایتو نے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی مذہبی حیثیت کا احترام کرتے ہوئے آپ کو فقر و تصوف کی راہ پر کاربند رہنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا اور آپ کو سلطانیہ میں الجایتو کے اپنے دینی مرکز ابواب البر کے افتتاح میں شرکت کی دعوت دی۔ جبکہ الجایتو ہی نے دو سال قبل شیخ رحمۃ اللہ کے متصوفانہ روش کی مخالفت کی تھی اور آپ کی شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ سے ملاقات کی راہ میں بھی مزاحم ہوا تھا۔ یہ بہتری عارضی تھی کیونکہ جلد ہی فریقین کے تعلقات اس وقت پھر خراب ہو گئے جب الجایتو نے ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء میں تشیّع اختیار کیا۔ شیخ رحمۃ اللہ نے اس موقع پر اپنی ناپسندیدگی کا کھل کر اظہار کیا۔

ابوسعید کے دور میں شیخ رحمۃ اللہ کی قدر و منزلت میں پھر اضافہ ہوا۔ اس دور میں شیخ رحمۃ اللہ کو سلطنت کے سیاسی اور مذہبی معاملات میں خاصا عمل دخل حاصل رہا۔ ایک بیان کے مطابق الخان ابوسعید نے خود شیخ سے ان کی خانقاہ میں ملاقات کی۔ اس دوران میں شیخ رحمۃ اللہ نے متعدد بار بغداد کا سفر اختیار کیا اور ایک یا دو بار مکہ معظمہ بھی گئے۔ امیر چوبان اور نوروز

آپ کے بڑے معتقد تھے اور شیخ بھی غازان کے برعکس ان کے سنی العقیدہ ہونے کے باعث ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات نے سمنان میں شیخ رحمۃ اللہ کی زیارت کی اور جب نوروز مشہد کا حاکم تھا تو شیخ رحمۃ اللہ نے بھی اس سے ملاقات کے لیے مشہد کا سفر اختیار فرمایا۔ اسی طرح جب چوبان ابوسعید کی حمایت سے محروم ہو گیا اور اس کے بیٹے کو ۲۷ے ھ/ ۱۳۲۷ھ میں قتل کیا گیا تو شیخ رحمۃ اللہ نے خصوصی طور پر سلیمانیہ جا کر ابوسعید سے ملاقات کی۔ ابوسعید کے وزراء رشید الدین فضل اللہ ہمدانی اور غیاث الدین محمد کارت بھی شیخ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

آخری دنوں میں شیخ رحمۃ اللہ مریدوں کے ایک بڑے حلقے میں گھرے رہتے تھے۔ آپ نے ۲۲ رجب ۷۳۶ھ بمطابق ۶ مارچ ۱۳۳۶ء کو صوفی آبادِ خداداد کے برج احرار میں وفات پائی اور عماد الدین عبدالوہاب کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کا روضہ مبارک آپ کی ویران خانقاہ کے باہر آج بھی موجود ہے۔ بدقسمتی سے بارش کے لیے ایک معمولی آڑ کے علاوہ مزارِ اقدس کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ ☆



باب سوم

مرشدین و مریدین سمنانی رحمۃ اللہ

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے اپنی تحریروں میں تفصیل سے لکھا ہے کہ انہوں نے راہِ تصوف اختیار کرنے اور حضرت شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی رحمۃ اللہ کی مریدی اختیار کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ تلاشِ حق کی اس داستان کو بیان کرنے سے اُن کا مقصد صوفیائے متاخرین کے لیے رہنمائی کا سامان کرنا تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر آپ نے اپنے خود نوشت سوانح میں ربط و تسلسل پیدا کرتے ہوئے دورِ شباب کے بعض اساتذہ اور ساتھیوں کے ناموں سے صرف نظر بھی کیا ہے۔ اس تفصیلات سے اغماض کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ اپنی ذات اور تعلیمات کو جس رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے یہ تفصیلات ان سے مطابقت نہ رکھتی تھیں مثلاً جوانی میں آپ کا آزاد خیال ہونا، امورِ دینی سے عدم آگاہی وغیرہ۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو راہِ حق کی ہدایت بھی محرم ۶۸۶ھ/فروری ۱۲۸۷ء میں ایک مکاشفے میں ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مجھے احساس ہوا کہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ مذہب پیغمبروں کا مذہب ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں مختلف قبائل کے زعماء نے متفقہ طور پر اس امر پر اتفاق کیا کہ انسانیت کی تکمیل کے لیے تین امور پر توجہ ضروری ہے۔ یہ تین امور ہیں، 'سیاست' یعنی دنیا میں امن اور نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے سزا کا نظام، 'طہارت' یعنی اخروی زندگی سے قبل اسی دنیا کی زندگی میں پاکیزگی حاصل کرنا، اور 'عبادت' یعنی اس خدا کی پرستش جو تمام مخلوقات کا خالق ہے۔"

شیخ رحمۃ اللہ کی مذہبی بیداری کا مندرجہ بالا حصہ دراصل قانون فطرت کی دریافت کی

ایک صورت ہے۔ بیداری کے احساس کا یہ سفر احساسِ ذات کی اس خاص منزل کے بعد شروع ہوا جب فرد اپنے وجود سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور اس آگاہی کے وسیلے سے واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ کے پاک وجود کا بھی یقین حاصل کرتا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ کے مرتبے کے بزرگ کے لیے جو صوفیانہ کشف والہام سے باری تعالیٰ کے وجود اور عبد و معبود کے رشتے سے بخوبی آگاہ ہو چکا ہو اپنے دین کی برتری ثابت کرنے کے لیے ایسی منطقی بحث میں پڑنا قطعی غیر ضروری تھا۔ تاہم شیخ رحمۃ اللہ اہلِ عالم کے عمومی اتفاق کی خاطر اس منطقی بحث سے اپنے عقیدہ کا آغاز کرتے ہیں کہ ہمہ گیر معاشرتی قوانین کا نفاذ، تطہیر ذات اور عبادت کے وسیلے سے اس ذاتِ واجب الوجود کا ایقان جو جملہ مخلوقات کے وجود کا باعث ہے، گویا ایسے مسلمات ہیں جن پر کل عالمِ انسانیت کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بحث میں بھی شیخ نے منطق و فلسفہ کی بحثوں میں الجھنے کی بجائے اپنے روحانی مکاشفات سے حاصل شدہ حقائق سادہ طریقے سے بیان کیے۔ ان تین بنیادی حقائق سے اگرچہ شیخ رحمۃ اللہ روحانی ذرائع سے روشناس ہوئے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر علماء و محققینِ اسلام کی فلسفیانہ تحریروں میں بھی انہی تین امور کو متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

> ''اللہ تعالیٰ نے میرے قلب پر اس حقیقت کا القا فرمایا کہ بعض فرقے ان تین امور یعنی سیاست، طہارت اور عبادت پر ظاہری طور پر عمل پیرا ہیں، بعض فرقے ان پر باطنی انداز میں عمل کرتے ہیں اور بعض فرقے ظاہر و باطن دونوں میں ان امور کی پاسداری کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے آخری گروہ کی پیروی کرنے کا فیصلہ کیا اور اس بات کا یقین کر لیا کہ تمام فرقوں میں صرف وہی اہلِ حق ہیں۔''

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک وہ فرقے جو ان تین امور یعنی

سیاست، طہارت اور عبادت پر محض ظاہری یا باطنی طور پر کاربند ہیں وہ زیاں اور نفاق کا شکار ہیں۔ان میں سے جو محض ظاہر پر کاربند ہیں وہ عقیدے اور ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔ یہ وہ بت پرست ہیں جو اپنی عبادت گاہوں میں بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور اس کی مثال اہل ہنود، ترک اور زمانہ قبل از اسلام کے مشرکین ہیں۔اسی طرح وہ فرقے جو ان امور کا محض باطنی طور پر لحاظ کرتے ہیں اور انہیں محض تجریدی حقائق کے طور پر تسلیم کرنے کے علاوہ عملی زندگی میں ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے وہ بھی نفاق کا شکار ہیں اور اس گروہ کی مثال اصحاب العروہ اور یونان کے فلاسفہ ہیں۔شیخ رحمۃ اللہ کے نزدیک اعلیٰ ترین صورت ان امور کے ظاہری اور باطنی پہلو دونوں کا پاس رکھنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔اور ظاہر و باطن کا یہ امتزاج محض اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے پیروکاروں کے ہاں نظر آتا ہے۔پس شیخ رحمۃ اللہ اپنے مذہبی احساس کی دوسری منزل کا بیان فرماتے ہیں کہ قوانینِ فطرت کی حقیقی معنوں میں پاسداری عقیدے اور عمل کے امتزاج ہی سے ممکن ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس کی تمام انبیاء نے عالمِ انسانیت کو ہدایت کی ہے۔

آپ مزید اس نتائج پر پہنچے کہ وہ انبیاء جنہوں نے اہلِ عالم کو دینِ حق کی ایک واضح شریعت کے ساتھ تعلیم دی، ان کی تعداد سات ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ان میں سے ہر ایک صاحب شریعت تھا اور علمائے دین کی مدد سے سب نے اپنی اپنی شریعت کو نافذ کیا۔ان تمام شریعتوں میں سے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے شریعتِ محمدیہ ﷺ کی سیاست یعنی قانونی پہلو کو جامع ترین، طہارت کے نظام کو بہترین اور عبادت کو مکمل ترین پایا۔ان امور کے علاوہ یہ شریعت عمل کے لحاظ سے آسان ترین بھی ہے اس لیے آپ نے دینِ اسلام کے انتخاب کا فیصلہ کیا۔

یہ منطقی استخراج شیخ رحمۃ اللہ کے مذہبی احساسِ بیداری کی تیسری منزل ہے جہاں آپ نے ان دیگر مذاہب کے مقابلے میں جو خدائے واحد کے قائل ہیں دینِ اسلام کی افضلیت کا ایقان حاصل کیا۔ یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ نے محض کسی روحانی برتری کی بنا پر اسلام کی افضلیت ثابت کرنے کی بجائے اس حقیقت کو منطقی طور پر اہلِ عالم کے ذہن نشین کرایا ہے۔ یعنی اس دین کا قابلِ عمل ہونا، جامع ہونا، اس عہد کے معاملات پر قابلِ اطلاق ہونا اور سب سے بڑھ کر سادہ اور آسان ہونا اس کی برتری کا ثبوت ہیں۔ شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے میرے قلب پر القا فرمایا کہ اسلام کے تمام فرقے دراصل سات فرقوں پر مشتمل ہیں یعنی جبری، قدری، معطلی، مشبّی، رافضی، خارجی اور سنی۔ اور مجھے ہر فرقے کے حق اور باطل کی تمیز ہوگئی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کہ جبری صاحب افراط ہیں کیونکہ وہ اپنے جملہ اعمال کو خدا تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں، قدری صاحب تفریط ہیں، کیونکہ وہ اپنے تمام اعمال کو خود سے منسوب کرتے ہیں اور خود کو فاعلِ مختار جانتے ہیں اس طرح ذاتِ احدیت کی قدرت کا انکار کرتے ہیں۔ مشبّی خدا تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں اور مخلوق کی طرح خدا کی صورت کا بھی تعین کرتے ہیں۔ معطلی خدا تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کرتے ہیں جن کا کلامِ مجید میں بیان ہوا ہے۔ رافضی ائمہ اہل بیت کی محبت میں حد درجہ غلو سے کام لیتے ہیں اور اکثر اولین اہلِ ایمان کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ خارجی ان ائمہ اہلِ بیت سے نفرت میں انتہائی درجہ کو پہنچے ہوئے جو بنی نوعِ انسان کے لیے چراغ

ہدایت ہیں اور اہلِ عالم کو اللہ کے لیے، اللہ کے ذریعے اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔"

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کو اس مرحلے پر اہلِ سنت والجماعت کے علاوہ دیگر تمام فرقے ناقص معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تمام فرقے افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ قرآن مجید نے خود ان فرقوں کے اندر موجود کمزوریوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اس ذیل میں آپ قرآن مجید کی آیتوں سے یوں استنباط فرماتے ہیں۔

"اور میرے دل پر القا ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (النسآء ۱۷۱) اور فرماتے ہیں بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط (ال عمران ۲۶) تا کہ جبریہ کے عقائد کا ابطال ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ (ال عمران ۲۶) تا کہ قدریہ کے عقیدے کو باطل ثابت کیا جائے۔ اور فرماتے ہیں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ج (الشوریٰ:۱۱) تا کہ مشبہ کے عقیدے کو باطل قرار دیا جائے اور فرماتے ہیں کہ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ٥ (بنی اسرآئیل:۱) تا کہ معطلیہ کے عقیدے کا رد ہو۔ اور فرماتے ہیں قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ط (الشوریٰ:۲۳) تا کہ خارجیہ کے باطل عقیدے کی نفی ہو اور فرماتے ہیں کہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِیَ اللہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ...... (التوبہ ۱۰۰) تا کہ رافضیہ کے باطل عقیدے کو جھٹلایا جائے اور مجھے معلوم ہوا کہ اہلِ سنت ہی صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔"

اگرچہ شیخ رحمۃ اللہ اہلِ سنت کے عقیدے کو صراطِ مستقیم سمجھنے لگے کیونکہ یہ اعتدال کا راستہ تھا اور افراط وتفریط سے دور تھا۔ اعتدال کا یہ تصور بدھ مت سے مماثل معلوم ہوتا ہے جسے شیخ رحمۃ اللہ

ایک نامکمل دینی نظام قرار دے کر رد کر چکے تھے+۔ وہ سمجھنے لگے کہ اسلام ہی واحد سچا دین ہے اور اہلِ سنت اور دیگر فرقوں کی مثال ایسی ہے جیسے اسلام کے مقابلے میں دیگر ادیان۔ لیکن پھر آپ نے دیکھا کہ خود اہلِ سنت کے ائمہ بھی آپس میں کسی بات پر متفق نہیں اور یہ مذہب بھی مختلف فقہی مسالک میں بٹا ہوا ہے جن کے علماء ایک دوسرے کا انکار کرتے ہیں۔ جس وقت آپ اہلِ سنت کی تفرقہ بازی اور اصل فرقۂ ناجیہ کی پہچان کے بارے میں فکر و تردد کا شکار تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر آپ کی رہنمائی فرمائی۔ حق تعالیٰ نے اپنے نمائندے کو الروح المتکیہ کی صورت عالم روحانی میں سمنان بھیجا، جس نے بزرگوں کی ایک جماعت کی طرف نشاندہی کی۔ اس روح نے شیخ رحمۃ اللہ کو باور کرایا کہ اللہ تعالیٰ نے حق کا انکشاف اسی گروہ کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ دل و جان سے اس گروہ کے آگے اپنے نفس کو غلام بنانے اور ان کے طریقے پر چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے کیونکہ یہی صراطِ مستقیم پر چلنے والا گروہ تھا۔ جب شیخ رحمۃ اللہ اس گروہ کے نزدیک پہنچے تو آپ نے ان کے چہروں پر سیماء الحق یعنی خدا کی نشانی دیکھی اور دیکھا یہ گروہ حق کے علاوہ کچھ نہ بولتا تھا۔

یقیناً اس روح نے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کو صوفیہ ہی کی نشاندہی کرائی تھی۔+ آپ کو معلوم ہوا کہ ایک معین وقت میں ان بزرگوں کی ایک خاص تعداد دنیا میں

+ یہ فاضل مؤلف کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ مترجم اس سے متفق نہیں۔ اعتدال دینِ اسلام اور مذہب صوفیہ دونوں کا خاصہ ہے۔

+ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے اس بیان سے جو العروہ الاہل الخلوہ والجلوہ میں موجود ہے اور جسے فاضل مؤلف نے یہاں نقل کیا ہے، یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی رہبری فرماتے ہوئے مذہب صوفیہ کو مذہب حقہ اور صراطِ مستقیم قرار دیا تھا۔ اس وضاحت کے بعد شیخ رحمۃ اللہ کو مذاہب اربعہ اہلِ سنت میں سے کسی ایک کا پیرو ثابت کرنا بے معنی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ، میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ اور سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے دیگر کبار صوفیہ کی طرح آپ بھی مذہب صوفیہ پر کاربند تھے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے شیخ رحمۃ اللہ کی تصنیف 'العروہ لاہل الخلوہ والجلوہ' ص ۳۰۰ تا ۳۰۵، نیز راقم کی تالیف 'میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ اور مسلکِ نوربخشیہ' کا متعلقہ حصہ ملاحظہ فرمائیں۔ (مترجم)

موجود رہتی ہے۔ اوران اولیاء کو درجہ و مرتبہ کے اعتبار سے سات گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جو اہل الطلب، اہل الارادہ، اہل السلوک، اہل السیر، اہل الطیران، اور اہل الوصول ہیں اور آخری درجہ مرتبہ الموصل ہے جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ہے۔

اس طرح شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کس طرح دو روحانی تجربات کی روشنی میں آپ نے مذہب صوفیہ پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا۔ ایک اور موقع پر جب آپ اربعین یعنی چلہ کشی میں مصروف تھے تو آپ پھر عالم روحانی میں پہنچے اور آپ پر القاء ہوا کہ صوفیہ کے مسالک میں سے بھی کامل ترین راستہ حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مکاشفے میں میں نے دیکھا کہ مریدی کی رسی قطب ولایت سے بندھی ہوئی ہے اور جس طرح حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ نے میرے وجود کو اپنے اختیار میں لے رکھا تھا اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ ہی کا راستہ ہے۔"

یہ حقیقت ہے کہ شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ آپ کی زندگی میں اہم ترین مرشد کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ بعد کی تصنیفات میں شیخ رحمۃ اللہ نے شعوری طور پر دیگر صوفیاء کے ذکر سے گریز کیا ہے اور شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ ہی کو قطب الارشاد فی زمانہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شیخ رحمۃ اللہ نے دیگر اولیاء کا انکار کیا ہے بلکہ محض اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ خود ان کے لیے شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ ہی واحد مرشدِ حقیقی ہیں۔ دوسری طرف شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ بھی آپ کی طرف اسی قدر مائل تھے اور حکامِ وقت اور مریدوں میں آپ کے اعلیٰ مقام کی تعریف کرتے اور اپنی غیر موجودگی میں خانقاہ کے معاملات آپ کے سپرد فرماتے۔

☆ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کا زنجیرہ تصوف شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ ہی سے وابستہ ہے۔

☆ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت احمد جورپانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت شیخ رضی الدین علی لالا رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۴۲ھ/۱۲۴۴ء)

☆ حضرت شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء)

☆ حضرت شیخ نجم الدین الخواقی کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء)

☆ حضرت شیخ عمار بن یاسر بدلیسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۰-۶۰۴ھ/۱۱۹۴-۱۲۰۷ء)

☆ حضرت شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۳ھ/۱۱۶۸ء)

☆ حضرت شیخ احمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء)

☆ حضرت شیخ ابوبکر النساج رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء)

☆ حضرت شیخ عبد القاسم الجورجانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۹ھ/۱۰۷۶-۷۷ء)

☆ حضرت شیخ ابوعثمان المغربی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۳ھ/۹۸۳-۸۴ء)

☆ حضرت شیخ ابوعلی الکاتب رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۴۰ھ/۹۵۱ء)

☆ حضرت شیخ ابوعلی الرودباری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۲ھ/۹۳۴ء)

☆ حضرت شیخ جنید البغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۷ھ/۹۱۰ء)

☆ حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت شیخ معروف الکرخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۰ھ/۸۱۵ء)

☆ حضرت شیخ داؤد الطائی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۵ھ/۷۸۱-۲ء)

☆ حضرت شیخ حبیب العجمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۶ھ/۷۷۳ء)

☆ حضرت شیخ حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ/۷۲۸ء)

☆ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ/۶۶۱ء)

☆ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم +

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو اور سلسلہ ہائے طریقت کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے حاصل کیے۔ ان میں سے ایک طریق صحبات ہے اور مذکورہ بالا سلسلے سے مماثل ہے سوائے اس فرق کے ابوالقاسم جورجانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان منصور خلاف نامی بزرگ کا بھی نام مذکور ہوا ہے۔ دوسرا سلسلہ طریقہ انزوا و خلوت ہے۔ اس سلسلے کی سند حضرت ابو سعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۴۰ھ/۱۰۴۹ء) سے ہے اور حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور سلسلے سے جداگانہ سلسلہ ہے۔

☆ حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ۔

☆ حضرت شیخ احمد جورپانی رحمۃ اللہ علیہ۔

☆ حضرت شیخ رضی الدین علی لالا رحمۃ اللہ علیہ۔

☆ حضرت مجدالدین شیخان رحمۃ اللہ علیہ (جن سے شیخ علی لالا رحمۃ اللہ علیہ نے خرقہ حاصل کیا اور جو ابو سعید کے پڑپوتے ہیں۔)

☆ حضرت نورالدین منور رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مجدالدین کے والد)۔

+ فاضل مؤلف نے یہ شجرۂ طریقت 'رسالہ فی الذکر اسامی مشائخی' سے اخذ کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اکثر کتب تصوف میں سلسلۃ الذہب حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے واسطے سے دیگر ائمہ اہل بیت سے ہوتا ہوا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک پہنچایا گیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۰ھ)
حضرت امام علی رضا علیہ السلام (م ۲۰۳ھ)
حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (م ۱۸۳ھ)
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (م ۱۴۸ھ)
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (م ۱۱۷ھ)
حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام (م ۹۴ھ)
حضرت امام حسین علیہ السلام (م ۶۰ھ)
حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام (م ۴۰ھ)
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (م ۱۱ھ)

مزید تفصیل کے لیے راقم کی تالیف 'میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ اور مسلک نوربخشیہ' ص ۱۰۷ تا ۱۳۳ کا مطالعہ کیا جائے۔ (مترجم)

☆ حضرت ابوطاہر رحمۃ اللہ (حضرت نورالدین رحمۃ اللہ کے والد)۔

☆ حضرت ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ ۔

☆ حضرت فضل حسن سرخسی رحمۃ اللہ ۔

☆ حضرت سراج رحمۃ اللہ ۔

☆ حضرت محمد مرتعش رحمۃ اللہ ۔

☆ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ ۔

خرقۂ تصوف:

راہِ سلوک پر گامزن ہونے کے بعد حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے بیشتر خرقۂ ہائے تصوف اپنے شیخ حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کی وساطت سے حاصل کیے۔ ان میں سے اولیں خرقہ یعنی خرقۂ ملمع کا ذکر گزر چکا ہے جو حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ نے اخی شرف الدین کی وساطت سے شعبان ۶۸۷ھ/ ستمبر ۱۲۸۸ء میں ارسال فرمایا۔ یہ خرقہ شیخ رحمۃ اللہ کے حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ کے حلقۂ ارادت میں قبولیت کی نشانی کے طور پر عطا ہوا تھا۔ اس واقعے کے تقریباً دس سال بعد ۶۹۷ھ/ ۱۲۹۸ء میں حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ نے شیخ رحمۃ اللہ کو اپنا وہ خرقہ عطا فرمایا جو وہ مسلسل دس برس سے حالتِ ذکر میں زیب تن فرماتے آرہے تھے۔ یہ خرقہ جسے شیخ رحمۃ اللہ خرقہ لذکریہ کا نام دیتے تھے، حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ سے چلا آتا تھا، جس کی سند حسب ذیل ہے:

☆ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ ۔

☆ حضرت اسمٰعیل حسین القیصان رحمۃ اللہ ۔

☆ حضرت محمد بن منکیل رحمۃ اللہ ۔

☆ حضرت داؤد بن محمد رحمۃ اللہ خادم الفقراء۔

☆ حضرت ابوالعباس بن ادریس رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت عبدالقاسم بن رمضان رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت ابویعقوب الطبری رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت ابوعبداللہ بن عثمان رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت ابویعقوب النہراجوری رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت ابویعقوب السوسی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت کمیل رحمۃ اللہ بن زیاد۔

☆ حضرت علی ابن ابی طالب رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے ایک خرقۂ تبرک بھی حاصل کیا جو حضرت شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ اور حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کے واسطے سے درج ذیل سند کا حامل ہے:

☆ حضرت عمار بدلیسی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت ابونجیب السہروردی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ (پدر حضرت ابونجیب رحمۃ اللہ)۔

☆ حضرت وجیہہ الدین عمر رحمۃ اللہ (برادر حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ)۔

☆ حضرت محمد بن عمویہ رحمۃ اللہ (پدر حضرت وجیہہ الدین و حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ)۔

☆ حضرت احمد سیاح الدیناوری رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت ممشاد الدیناوری رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت معروف الکرخی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت داؤدالطائی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت حبیب العجمی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت حسن البصری رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

☆ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اس خرقۂ تبرک کا ایک اور وسیلہ یوں ہے:

☆ حضرت شیخ نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت رشید الدین ابوعبداللہ رحمۃ اللہ۔

☆ حضرت ابوالقاسم القاری رحمۃ اللہ۔

حضرت شہاب الدین عمر السہروردی رحمۃ اللہ۔

حضرت ابونجیب السہروردی رحمۃ اللہ۔

یوں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے سہروردی سلسلے سے خرقۂ تبرک دو واسطوں سے حاصل کیا تھا۔

مندرجہ بالا خرقوں کے علاوہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ سے خرقہ ہزار میخی بھی حاصل کیا جو ان تک حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ سے حضرت مجد دالدین بغدادی رحمۃ اللہ اور حضرت علی لالا رحمۃ اللہ کی وساطت سے پہنچا۔ شاید یہ وہ کلاہ ہے جسے کلاہ ہزار میخی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور جو حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی ہے اور حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ نے شیخ رحمۃ اللہ کو رجب ۷۰۵ھ/ جنوری ۱۳۰۶ء سے کچھ مدت قبل

عطا کی۔ایک اور خرقہ جو شیخ رحمۃ اللہ حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ کی وساطت سے عطا ہوا اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شانہ مبارک (کنگھی) موجود تھا اور جو ابو رضا بابا رتن نے جو حضور ﷺ کے ہم عصر تھے حضرت شیخ علی لالا رحمۃ اللہ کو سفرِ ہند کے دوران عطا کیا تھا۔ حضرت شیخ علی لالا رحمۃ اللہ سے یہ حضرت احمد جورپانی رحمۃ اللہ کو اور پھر حضرت نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کو پہنچا۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ راہِ تصوف میں قدم رکھنے کے لیے مرشدِ کامل سے وابستگی کو انتہائی ضروری سمجھتے تھے۔آپ نے جملہ مشائخین متقدمین سے استفادہ فرمایا۔اس راہ میں آپ کے اولیں استاد حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تھے جو عالمِ روحانی میں تقریباً دو برس تک آپ کی رہنمائی فرماتے رہے۔اصولِ تصوف کو سیکھنے، یاد کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے سلسلے میں صاحب 'قوت القلوب' حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ آپ کے استاد تھے۔ترکِ دنیا اور راہِ فقر اختیار کرنے کے باب میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ آپ کے استاد بنے۔مودت اور فتوت کے اصول آپ نے حضرت ابو حفص الحداد النیشاپوری سے سیکھے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے اپنے مرشد حضرت شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ کے علاوہ اس عہد کے دیگر علماء سے بھی رابطے تھے۔بغداد میں قیام کے دوران آپ نے علمِ حدیث پر خصوصی توجہ دی۔اس علم میں آپ کے اساتذہ محمد بن عبداللہ الرشید بن ابو القاسم البغدادی اور عزالدین عبداللہ بن عمر بن الفرج الفاروثی رحمۃ اللہ تھے۔مؤخر الذکر جن کا مذہب شافعی تھا، راہِ تصوف پر بھی گامزن تھے۔وہ ابو حفص عمر بن کرم بن ابی الحسن الدیناوری اور شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ کے ہمدرس تھے اور مؤخر الذکر سے انہوں نے خرقۂ تصوف بھی حاصل کیا تھا۔فاروثی سے روحانی کسبِ فیض کا علم نہ ہونے کے باوجود شیخ رحمۃ اللہ کے ان سے تعلقات سہروردی سلسلے سے آپ کی وابستگی کا پتہ دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ اور حضرت صدر الدین حمویائے جوینی (م ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء) کے تعلقات ہیں جو حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کے مرید حضرت سعد الدین حمویہ کے بیٹے تھے۔ حضرت صدر الدین حدیث کے عالم تھے اور حصولِ علم کے لیے انہوں نے دور دراز کے سفر اختیار کیے تھے۔ ابن الکربلائی انہیں صفی الدین اردبیلی، عبدالرزاق کاشانی اور حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی طرح اپنے وقت کا عظیم شیخ طریقت اور مرشد قرار دیتے ہیں۔ ان کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کی تبلیغ سے غازان نے شعبان ۶۹۴ھ/ جون ۱۲۹۵ء میں اسّی ہزار منگولوں کے ہمراہ اسلام قبول کیا۔ حضرت صدر الدین کے الخانیدی دربار سے گہرے تعلقات تھے۔ ۶۷۱ھ/۳-۱۲۷۲ء میں انہوں نے مشہور مؤرخ عطا ملک جوینی (م ۶۸۱ھ) کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ عطا ملک جوینی کا بھائی شمس الدین صاحبِ دیوان کے عہدے پر فائز تھا اور ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

صدر الدین ابراہیم سلسلۂ کبرویہ کے شیخ تھے۔ علاوہ بریں صفادی کو حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کا شاگرد ہونے کا دعویٰ ہے۔ چنانچہ یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ نے اپنی تحریروں میں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا حالانکہ صدر الدین حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی طرح حدیث کے عالمِ متبحر تھے اور دونوں کے اساتذہ بھی مشترک تھے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے شاگرد بھی مشترک تھے۔ شاید اس کا سبب سمنانی اور جوینی خاندانوں کا منگول دربار میں مناقشہ تھا کیونکہ صدر الدین شادی کے بعد جوینی خاندان سے رشتہ داری میں بھی منسلک تھے اور ان کا تعلق بھی بحر آباد سے تھا جو علاقہ جوین کا ایک قصبہ ہے۔ خراسان میں سمنان اور جوین کے درمیان الخانیدی سلطنت کا مرکزِ اقتدار بننے کی مسابقت چل رہی تھی اور سمنانیوں کے برعکس جوینی ارغون کے ساتھ مناقشے میں احمد تاکودار کا ساتھ دے رہے تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ کی صدر الدین سے سرد مہری کی اہم وجہ ان کے والد سعد الدین ہو سکتے ہیں۔ سعد الدین سلسلۂ کبرویہ سے کلی طور پر منسلک نہیں تھے۔ بغدادی جن کا شیخ رحمۃ اللہ نہایت احترام کرتے ہیں ان سے بلکہ پورے حمویہ خاندان سے بدظن تھے۔ اور شیخ احمد جورپانی رحمۃ اللہ نے بھی سعد الدین حمویہ سے ملاقات سے انکار کیا تھا۔ اس مخاصمت کی بنیادی وجہ سعد الدین کے سرّی عقائد اور علم الاعداد سے ان کی دلچسپی تھی جس کا اظہار ان کی کتابوں 'بحر المعانی' اور 'کتاب المحبوب' سے ہوتا ہے۔ نیز ابن عربی رحمۃ اللہ کے بھی وہ نہایت معتقد تھے۔

رفقاء اور مریدین:

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے ہم عصر صوفیاء میں سے اہم ترین عبدالرزاق کاشانی ہیں، جو ابن عربی رحمۃ اللہ کے معتقد تھے اور شیخ رحمۃ اللہ کے ان سے گہرے تعلقات تھے۔ خدا اور کائنات کے باہمی رشتے پر ان دونوں میں تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔ شیخ رحمۃ اللہ عقیدۂ وحدت الوجود کی علانیہ مخالفت کرتے تھے۔ اس ضمن میں صفی الدین ابوالفتح اسحاق اردبیلی رحمۃ اللہ جو صفوی صوفی سلسلے کے مؤسس ہیں، شیخ رحمۃ اللہ کے ہمنوا تھے۔ چہل مجلس کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ کے ان سے دوستانہ مراسم تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ کی صلاح الدین حسن البلغاری سے بھی مراسلت تھی جو نخجوان میں ۶۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور سات سال کی عمر میں گرفتار ہو کر بلغار پہنچے۔ تقریباً تیس سال بعد وہ ایران واپس پہنچے اور کرمان میں سکونت اختیار کی۔ بعدازاں وہ شیخ طریقت بنے اور حضرت شیخ شمس الدین تبریزی سے خرقۂ تصوف حاصل کیا۔ انہوں نے بظاہر الخانیدی دربار سے تعلق قائم رکھا اور جمادی الاول ۶۹۸ھ/ فروری ۱۲۹۹ء میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ کی طرف سے کرمان میں لوٹ مار سے قبل انہوں نے تبریز کا سفر اختیار کیا۔ اسی سال انہوں نے تبریز میں وفات پائی۔ شیخ بلغاری کو اپنا استاد مانتے ہیں اور اپنے مکتوبات میں انہیں 'پدرم'

کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح بلغاری بھی شیخ کو اپنا فرزند سمجھتے تھے۔

نقشبندی کتب میں شیخ رحمۃ اللہ کی علی النساجی رامتینی سے بھی مراسلت کا ذکر ہے جو حضرت عزیزان یا خواجۂ عزیزان کے نام سے مشہور تھے اور خواجہ فغنوی مولوی کے مرید تھے۔ ان سے شیخ رحمۃ اللہ کی مراسلت کا بنیادی موضوع ذکر خفی و جلی کی بحث ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ ذکرِ خفی کے قائل تھے۔

مذکورہ بالا افراد وہ بزرگ ہیں جن کے ساتھ شیخ رحمۃ اللہ نے زیادہ قریبی تعلق قائم رکھا۔ تاہم آپ نے صفی الدین اردبیلی، شمس الدین اسواجی الشوستری، اور احمد مولانا کے استاد زاہد ابراہیم گیلانی (م ۷۰۰ھ) جو خوارزم میں مدفون ہیں، اور تاج الدین کرکاری سے بھی سلسلۂ مراسلت رکھا۔ آپ نے درگزین کے جمال الدین الدرگزینی اور یمن کے ابن عاجل کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حیات میں آپ کے شاگردوں اور مریدوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جن میں سے بعض نے تصوف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے مریدین کا ایک اندرونی حلقہ ایسا تھا جس کے ساتھ آپ کے نہایت قریبی تعلقات تھے اور آپ انہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ بدقسمتی سے سمنانی رحمۃ اللہ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ اس عہد کے تذکروں میں ان کا ذکر موجود نہیں اور جو تھوڑا بہت علم ان کے بارے میں حاصل ہوتا ہے اس کی بنیاد شیخ رحمۃ اللہ کی اپنی تحریریں، آپ کے شاگرد اقبال سیستانی رحمۃ اللہ کی چہل مجلس، اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ کی لطائف اشرفی اور دیگر صوفیانہ کتابوں میں ملنے والے اتفاقی اشارے ہیں۔ ذیل میں ان مریدین کا ذکر ہے جو آپ کے خلفاء تھے اور ان میں سے اکثر غالباً نظامِ فتوت سے وابستگی کی بنیاد پر اخی بھی کہلاتے تھے۔

۱۔ اخی ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی سمنانی رحمۃ اللہ (م ۷۳۴ھ) سمنانی رحمۃ اللہ کے

اولیں مرید تھے اور شاہ ہمداں امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ، جو کہ آپ کے بعد سلسلۂ کبرویہ کے معروف ترین بزرگ ہیں، کے دو اساتذہ میں سے ایک تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ نے انہیں رمضان ۷۱۴ھ میں سندِ ارشاد عطا کی اور سمنان کی جامع مسجد کے بالمقابل واقع خانقاہ روضا کا شیخ مقرر کیا۔ سمنانی رحمۃ اللہ نے انہیں بعض اوقاف کا بھی انتظام سونپا۔ ۷۳۱ھ میں وہ ہمدان میں غالباً میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ کی تعمیر کردہ خانقاہ میں آئے۔ ان کی وفات یا ہمدان میں ہوئی یا صوفی آباد خداداد میں، جہاں وہ مدفون ہیں۔

۲۔ شرف الدین محمود مزدقانی رحمۃ اللہ (م ۷۶۶ھ) میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ کے دوسرے استاد تھے جو ۷۳۲ھ میں مزدقان میں شیخ طریقت بن گئے تھے۔ آپ کے بارے میں معلومات محض 'چہل مجلس' یا میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ کے سوانح حیات 'خلاصۃ المناقب' میں ملتے ہیں جو میر کے مرید نور الدین جعفر بدخشی رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے۔ بظاہر شیخ مزدقانی رحمۃ اللہ کا روحانی درجہ علی دوستی رحمۃ اللہ سے زیادہ تھا اور انہوں نے مؤخر الذکر کو شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے طریقۂ ذکر کی تعلیم دی تھی۔

۳۔ علی مصری رحمۃ اللہ شام اور اناطولیہ میں شیخ طریقت تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی شہرت سن کر سمنان جانے اور آپ کی مریدی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے جملہ شاگردوں کو بھی اپنے ہمراہ لے آئے۔ چہل مجلس کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے عالمِ متبحر مریدوں میں شامل ہوتے تھے۔

۴۔ عزیز الدین محمد دہستانی رحمۃ اللہ نے ابتدا ہی میں شیخ رحمۃ اللہ سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔ آپ شیخ رحمۃ اللہ کے قریبی شاگردوں میں سے تھے اور سفرِ حج میں آپ کے ہمراہ تھے۔ 'فرحت العاملین وفرجت الکاملین' انہی کی درخواست پر لکھی گئی۔

۵۔ نجم الدین محمد بن شرف الدین محمد الدھکانی الاسفرائنی آپ کے خلیفہ ہونے کے

علاوہ علم حدیث میں آپ کے ہمدرس بھی تھے۔طویل عمر پا کر ۷۷۸ھ میں فوت ہوئے اور اسفرائن کے قریب مدفون ہوئے۔

۶۔اخی ابو المنوحد محسن الدین الاحمدی ترکستان میں شاہ اغول بن قاعد کے درباری تھے۔ایک باطنی تجربے کے نتیجے میں انہوں نے دربار سے علیحدگی اختیار کرلی۔سمنانی رحمۃ اللہ اس واقعے کی خود اپنے تجربے سے مماثلت سے متاثر ہوئے اور اس کا ذکر 'بیان الاحسان لاھل العرفان' نامی کتاب میں کیا ہے، جو شیخ نے انہیں ذوالقعدہ ۷۱۲ھ میں لکھوانا شروع کی۔شیخ رحمۃ اللہ نے اخی کو جمادی الثانی ۷۲۲ھ میں 'رسالہ صدائف الطائف' بھی لکھوانا شروع کیا۔

۷۔وجیہ الدین عبداللہ غرجستانی طوس میں شیخ طریقت بنے جہاں انہوں نے مقامی حاکم سے قریبی تعلقات رکھے۔وہ ایک جنگ میں شہید ہوئے اور طوس واپس لا کر دفن کر دیئے گئے۔یہ غالباً وہی وجیہ الدین ابوالمحاسن عبداللہ ہیں جن کا ذکر سمنانی رحمۃ اللہ کی 'فرحت العاملین' میں ہے اور جنہوں نے شیخ سے راہِ سلوک کے مکاشفات کے مدارج پر مشتمل ایک رسالہ 'حقائق الحقائق' لکھنے کی فرمائش کی تھی۔

سمنانی رحمۃ اللہ کے دیگر قریبی مریدین جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے، حسبِ ذیل ہیں:

محمد خورد (یا خرد جن کی فرمائش پر شیخ نے رسالۂ نوریہ لکھا)، عبداللہ الحباشی، اخی علی رومی، اخی علی سیستانی، شمس الدین گیلانی، شاہ علی فراہی، تاج الدین محمد القشیری (جن کی فرمائش پر رجب ۶۹۹ھ میں 'قواعد العقائد' کی تصنیف عمل میں آئی۔)

کئی ایسے بزرگ جو شیخ رحمۃ اللہ کے درس میں کم مدت رہے، لیکن انہوں نے ہند ایرانی تہذیب میں فروغ تصوف کے باب میں اہم کردار ادا کیا، حسب ذیل ہیں:

۱۔اقبال شاہ جلال الدین بن سابق سیستانی (اقبال سیستانی م ۷۸۵ھ) بجستان کی

اشرافیہ سے تعلق رکھتے تھے اور اکثر صوفی آباد خداداد آتے تھے۔ حضرت سمنانی رحمۃ اللہ کی اجازت سے انہوں نے ۷۲۴ھ کے اواخر میں شیخ کی ملفوظات کو جمع کرنا شروع کیا اور ۷۳۵ھ تک اس کاوش کو جاری رکھا۔ یہ تالیف جو چہل مجلس، فوائد اور رسالہ اقبالیہ کے ناموں سے موسوم ہے، شیخ رحمۃ اللہ کی حیات اور افکار کا سب سے معروف ماخذ ہے۔ اقبال سیستانی اور اشرف جہانگیری نے شیخ سمنانی رحمۃ اللہ اور عبدالرزاق کاشانی کے درمیان ہونے والی مراسلت میں بھی رابطہ کار کا کردار ادا کیا۔

۲۔ اشرف جہانگیر بن سید محمد ابراہیم سمنانی رحمۃ اللہ سمنان کے حاکم تھے جنہوں نے حکومت اپنے چھوٹے بھائی کے سپرد کر کے خود حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی مریدی اختیار کر لی۔ اوائل جوانی میں ہی وہ ایران چھوڑ کر وسط ایشیاء گئے اور ایک مدت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ کی درس میں رہے جہاں وہ خواجہ محمد پارسا سمیت بہت سی نقشبندی شخصیات سے ملے۔ یہاں سے وہ ہندوستان گئے اور طویل سیاحت کے بعد کچھاو چھا میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی تصانیف 'لطائف اشرفی' اور 'مکتوبات اشرفی' کے مطالعے سے ان کے مذہبی خیالات پر حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی تعلیمات کے گہرے اثر کا پتہ چلتا ہے لیکن فلسفیانہ امور میں وہ اپنے دوسرے شیخ عبدالرزاق کاشانی رحمۃ اللہ سے زیادہ متاثر ہیں۔ قیام ہندوستان کے دوران میں وہ اس دور کے کئی مشہور صوفیا سے ملے جن میں علاء الدین لاہوری (پنڈوا کے سلسلہ چشتیہ کے بزرگ قطب عالم کے شیخ) اور سید محمد حسینی گیسودراز (م ۸۲۵ھ) شامل ہیں۔ اشرف جہانگیر کے جونپور کے حکمران سلطان ابراہیم شاہ شرقی سے قریبی تعلقات تھے۔ شیخ قطب عالم کے ایما پر انہوں نے سلطان کو ایک خط لکھ کر دیناج پور بنگال کے راجہ گنیشا پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ انہوں نے مالوہ کے سلطان ہشنگ کے لیے بھی انتظامی امور میں مشاورت کی۔ عام اتفاق یہ ہے کہ اشرف

جہانگیری نے ۲۷ محرم ۸۰۸ھ کو وفات پائی۔ لیکن اگر چہ راجہ گنیشا والی بات درست ہے تو ۸۱۸ھ تک ان کا بقیدِ حیات ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ میر سید علی بن شہاب الدین محمد ہمدانی (سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ ۱۲ رجب ۷۱۴ھ تا ۶ ذوالحج ۷۸۶ھ) حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے بھتیجے تھے اور آپ کی بہن فاطمہ کے بطن سے تھے۔ میر کی ابتدائی تعلیم حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی زیرنگرانی ہوئی، بعدازاں شیخ نے آپ کو اپنے مرید شیخ محمود مزدقانی رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھیجا، جبکہ مؤخر الذکر نے آپ کو بغرض تعلیم و تربیت اخی علی دوستی رحمۃ اللہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اخی کی وفات کے بعد آپ شیخ مزدقانی رحمۃ اللہ کی خدمت میں واپس آئے۔ اگر چہ یہ قرینِ قیاس نہیں کہ میر کی صوفیانہ تربیت آپ کے ماموں کے پاس ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کی صوفیانہ روایت سے بہت متاثر تھے اور مذکورہ دو بزرگوں سمیت شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے بہت سے مریدوں سے آپ نے تعلیم پائی تھی۔ فتوت میں آپ کے شیخ محمد الذکانی تھے۔ آپ نے اخی علی مصری اور اخی محسن سے بھی تعلیم پائی۔ شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے برعکس آپ اپنی شاعری میں 'علائی' تخلص اختیار کرتے ہیں۔

ایران اور باہر کی دنیا میں طویل سفر کے بعد میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ ۷۵۴ھ میں ہمدان میں مقیم ہوئے، لیکن تیمور کے فتحِ خراساں (۷۷۲ھ) کے بعد آپ اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ کے ہمراہ ایران سے نکلے اور بدخشاں کے شہر ختلان پہنچے۔ یہاں سے آپ ۷۸۱ھ میں کشمیر کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ قیامِ کشمیر کے دوران آپ کا سلطان قطب الدین پر بڑا اثر اور نفوذ رہا لیکن قطب الدین کی طرف سے بعض اسلامی احکام کی پاسداری میں عدم دلچسپی سے نالاں ہو کر ۷۸۴ھ میں ترکستان روانہ ہوئے اور اگلے سال مختصر مدت کے لیے کشمیر واپسی کے بعد دوبارہ ماوراء النہر کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر کے دوران آپ نے

کنار کے مقام پر وفات پائی اور ختلان میں مدفون ہوئے۔ میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ کے فرزند میر محمد ہمدانی نے ۸۰۵ھ میں سری نگر میں سکونت اختیار کرلی اور سلطان سکندر بت شکن کے دور میں اہلِ سنت کی مذہبی زندگی میں بیشتر اصلاحات کا شرف حاصل کیا۔

میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ کے مرید اور داماد خواجہ اسحاق ختلانی رحمۃ اللہ نے اپنے مرید اور شاگرد سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ (م ۸۶۹ھ/۱۴۶۴ء) کی سلسلہ طریقت میں مسند نشینی کے اعلان کے ساتھ خروج کیا۔ تیموری بادشاہ شاہ رخ نے اس بغاوت کو جلد فرو کر دیا اور خواجہ اسحاق رحمۃ اللہ کو ۸۲۶ھ میں شہید کروا دیا۔ میر سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ اپنے شیخ کے برعکس ان معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے، چنانچہ سلطان نے آپ کو معاف کر دیا۔ میر سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ سلسلۂ کبرویہ ہمدانیہ کے رہبر بنے۔ جبکہ ختلانی رحمۃ اللہ کے ایک دوسرے مرید شہاب الدین عبداللہ برزش آبادی (۸۷۲ھ) نے نور بخش رحمۃ اللہ کی سیادت کو ماننے سے انکار کر دیا اور نامعلوم تاریخ کو ذہبیہ کے نام سے ایک نئے سلسلے کی بنیاد رکھی۔ نوربخشیہ اور ذہبیہ سلسلہ جو حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی روایتِ تصوف وسلوک کے وارث ہیں، آج بھی ایران کے دو اہم سلاسلِ تصوف شمار ہوتے ہیں۔

۴۔ شیخ خلیفہ ماژندرانی جو سربدار تحریک کے بانی ہیں، شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے مریدوں میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن شیخ رحمۃ اللہ کے ساتھ ان کے تعلقات نہ تو قریبی تھے اور نہ دیرپا ثابت ہوئے۔ ایک دن جب سمنانی رحمۃ اللہ نے خلیفہ ماژندرانی سے سوال کیا کہ اہل سنت کے چار فقہی مسالک میں سے وہ کس کو مانتے ہیں تو خلیفہ نے جواب دیا کہ وہ ابھی اسی تلاش وجستجو میں ہیں کہ ان میں سے بہترین فرقہ کون سا ہے۔ اس جواب کے سنتے ہی شیخ نے اپنی سیاہی بھری دوات خلیفہ پر پھینک دی اور یوں ان کے تعلق کا خاتمہ ہوا۔ خلیفہ بغداد جا کر شیعہ عالم غیاث الدین ہبۃ اللہ الحمودی حمویہ کے درس میں شامل ہوئے۔ پھر سبزوار چلے

گئے جہاں وہ ایک کثیر مقامی شیعہ آبادی کو اکسانے میں کامیاب ہوئے۔

۵۔ عبید اللہ بیبادی کا ذکر شجرۃ الطبقات المشائخ میں جو علی کشمیری کا لکھا ہوا سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کا صوفیانہ تذکرہ ہے، شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے مرید کے طور پر کیا گیا ہے۔ بیبادی ابوطاہر خوارزمی کے استاد ہیں جو زین الدین ابوبکر علی تائب آبادی کے شیخ ہیں۔ مؤخر الذکر تیموری دور کی معروف دینی شخصیت ہے۔ جامی رحمۃ اللہ کے بقول تائب آبادی نے بابا محمد طوسی (سمنانی رحمۃ اللہ کے مرید عبداللہ غرجستانی رحمۃ اللہ کے شاگرد) اور سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ خواجہ محمد پارسا سے بھی تعلیم حاصل کی۔

۶۔ خواجو کمال الدین ابوالعطا محمود بن علی کرمانی (خواجوی کرمانی م ۷۴۲ھ) مشہور فارسی شاعر ہیں اور ان کے اثر و نفوذ کو حافظ شیرازی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کرمان میں اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد سمنانی رحمۃ اللہ کے مرید بنے۔ بعد ازاں وہ ابواسحاق انجو کی زیر سرپرستی شیراز میں قیام پذیر ہوئے۔ انہوں نے سلطان ابوسعید اور مظفری مبارز الدین محمد اور ان کے وزراء کے لیے قصائد لکھے۔ غالباً انہوں نے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی کچھ شاعری کی ترتیب و تدوین بھی کی۔

شیخ کے بعض دیگر مریدین کے نام یہ ہیں:

سلمان ساوجی (م ۷۶۹ھ) مشہور فارسی شاعر جو امیر حسن نویان اور ان کے بیٹے سلطان اویس ایلکانی کے دربار سے وابستہ تھے اور دیوان سمنانی رحمۃ اللہ کے مرتب ہیں، منہاج بن محمد السرائی، خواجہ ابوالفتح قطب الدین یحییٰ (م ۲۱ جمادی الثانی ۷۴۸ھ) جو ملک معز الدین حسینی کرت کے رفقاء میں سے تھے، مولانا جلال الدین عتیقی، مجد الدین اسماعیل سیسی، اور الجایتو کے وزیر علاء الدین ہندو۔ حسن البلغاری کے نام شیخ رحمۃ اللہ کے خط سے دو اور حضرات بدر الدین برائی اور امین الدین علی کے نام آئے ہیں جو سمنان سے بلغاری کے

پاس آئے۔ امیر شرف الدین ابراہیم بن صدر الدین محمد اور شیعی عالم رکن الدین قزوینی نے شیخ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الدین ابراہیم حمویہ دونوں سے تعلیم پائی۔

مذکورہ بالا حضرات سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ ان کے علاوہ علم حدیث میں بھی آپ کے شاگرد تھے۔ اس ذیل میں ان کے خلیفہ محمد الذکانی صفادی نے دو شاگردوں سراج الدین قزوینی اور امام الدین علی بن مبارک البکری کا ذکر کیا ہے۔ سراج الدین عمر بن علی جو عراق کے شیخ حدیث ہیں، رشید بن ابوالقاسم کے درس میں رہے ہیں۔ امام الدین البکری غالباً امام الدین علی بن ابوبکر النساوی الشیرازی ہیں جو ۷۰۹ھ میں متولد ہوئے اور دمشق، قاہرہ اور یروشلم میں تعلیم پائی۔ ☆

باب چہارم

تجلیاتِ الٰہی

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حقیقتِ وجود کی تفہیم کی بنیاد ایک پیچیدہ اور مرحلہ وار نظام کی صورت میں متشکل ہوئی ہے، جو ذاتِ الٰہی کے کائنات کے ساتھ عمومی طور پر اور انسان کے ساتھ خصوصی طور پر تعلق کی وضاحت کرتا ہے۔ اگرچہ یہ نظام اسلامی نوفلاطونی تکوینی روایات پر استوار ہے لیکن مخصوص انفرادیت کا حامل ہے۔ اس میں ایک طرف حقیقتِ خداوندی کا ایک سکونی تصور ہے جو ذات، صفات، افعال اور آثار پر مشتمل ہے اور دوسری طرف ایک حرکی تصور ہے جس میں تجلیاتِ الٰہی تکوینِ کائنات کی مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یہ تجلیات دس مختلف لطائف کی شکل میں صورت پذیر ہوتی ہیں اور تخلیقِ انسانی پر منتج ہوتی ہیں۔ انسان پھر باطنی ارتقاء کے سات لطیف مراحل سے گزر کر لطائفِ عینیہ تک رسائی پاتا ہے۔ اول الذکر دس لطائف کی حیثیت تکوینی ہے جب کہ مؤخر الذکر لطائف کی نوعیت قلبی اور باطنی ہے۔

خدا تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت اور ماورائیت کے مکمل اثبات کی خاطر سمنانی رحمۃ اللہ اپنے بیان کردہ نظامِ تجلیات میں آئینے کی تمثیل کا استعمال فرماتے ہیں۔ اس نظام میں ہر تجلی اس منبعِ نور کا مظہر ٹھہرتی ہے جس سے اس کا صدور ہوا ہو۔ لفظ مظہر ایسے اظہار کا نام ہے جس میں اصل اور آئینے میں منعکس ہونے والی شبیہ میں ایک فوری ربط موجود ہو۔ اس تصور سے عقیدۂ حلول کے امکان کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

ذاتِ الٰہی اور وجودِ انسانی کے درمیان اس رابطے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے سمنانی رحمۃ اللہ نے دائرۂ وجودِ انسانی اور دائرۂ ذاتِ خداوندی کے درمیان چار مدارج کی

نشاندہی کی ہے جو عالمِ لاہوت، عالمِ جبروت، عالمِ ملکوت اور عالمِ ناسوت ہیں۔ راہِ سلوک کا سفر تکمیلِ ذات کا ایسا عمل ہے جس میں سالک بتدریج ان چاروں عوالم میں صعود پاتا ہے۔

خدا اور کائنات:

تفسیر نجم القرآن میں سورہ الحدید کی دوسری اور تیسری آیت کی تفسیر یوں آئی ہے:

"لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ج یعنی جملہ کائنات پر اللہ تعالیٰ کی مکمل بادشاہت ہے۔ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ج یعنی اپنی حکمت سے وہ عناصر کو ان کی ترکیب کے وقت زندگی دیتا ہے اور اپنی عظمت و جلال سے وہ مرکّب موجودات کو ترکیب میں لانے کے بعد پھر منتشر فرما کر موت سے ہمکنار کرتا ہے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی حیات اور موت دونوں پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ج یعنی اللہ عالمِ لاہوت میں اوّل ہے، عالمِ ملکوت میں آخر ہے، اسی طرح عالمِ ناسوت میں وہ ظاہر ہے اور عالمِ جبروت میں وہ باطن ہے۔ یہاں ھو سے مراد ذاتِ الٰہی ہے جو ہر شے پر محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کا آغاز بھی ھو کے لفظ سے فرمایا اور ھو ہی کے لفظ سے یوں اختتام بھی، وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" یعنی وہ حقائقِ لاہوتیہ، رقائقِ جبروتیہ، دقائقِ ملکوتیہ اور شقائقِ ناسوتیہ میں سے ہر شے کا علم رکھتا ہے۔"

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے۔ اس کی ذات وراء الوراثم وراء الوراتم وراء الورا ہے اور ہر لحاظ سے واحد، لاثانی اور بے نیاز ہے۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے اور کسی قسم کے نقص سے مبرا و منزہ ہے۔ وہ ہمیشہ سے

ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ہر قسم کی تعریف و تسلیم سے بے نیاز ہے اور اہلِ ایمان کے ایمان اور اہلِ کفر کے کفر سے اس کی ذاتِ پاک پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ذاتِ الٰہی عقل و فہمِ انسانی سے مکمل طور پر ماورا ہے۔ چنانچہ ذاتِ خداوندی کا بیان سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک 'السبیل الرسم لا علی السبیل الحد' یعنی مثالی اور علامتی طور پر ممکن ہے، حتمی اور مطلق معنوں میں ممکن نہیں۔

عالم الغیب و الشھادہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال اور آثار کے علاوہ کسی شے کا حقیقی وجود نہیں ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کا یہ نظریہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے تعلیم کردہ کلمہ لاموجود الا اللہ کی تشریح ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ سمجھتے ہیں کہ اس عقیدے کی تشریح بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جس میں 'اسم' سے مراد 'آثار' ہے، 'اللہ' سے مراد 'ذات' ہے، 'الرحمٰن' کا مطلب 'صفات' ہے اور 'الرحیم' کے معنیٰ 'افعال' ہیں۔ ذات، صفات، افعال اور آثار میں سے ہر ایک کا ایک جداگانہ عالم ہے۔ چونکہ ان چار حقائق کے علاوہ کسی شے کا وجود حقیقی نہیں اس لیے جملہ عالمِ امکاں کو انہی کے لحاظ سے چار عوالم یعنی عالمِ لاہوت، عالمِ جبروت، عالمِ ملکوت اور عالمِ ناسوت میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ آثار کا تعلق عالمِ ناسوت سے، افعال کا تعلق عالمِ ملکوت سے، صفات کا تعلق عالمِ جبروت سے اور ذات کا تعلق عالمِ لاہوت سے ہے۔ آثار افعال سے پیدا ہوتے ہیں، افعال صفات سے وجود میں آتے ہیں اور صفات کا مصدر ذات ہے اور ذات ہی پر ہر کمال کی بنیاد ہے۔

عالمِ لاہوت سے عالمِ ناسوت کا سفر ایک عمودی نزولی سلسلہ ہے جس میں ہر اگلا عالم اس عالم کا مظہر ہے جس سے اس کا صدور و ظہور ہوا ہے یعنی وہ اپنے مصدر کا نقطۂ ظہور ہے۔ پس ذاتِ الٰہی کا اظہار عالمِ جبروت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کے بیان کے

مطابق 'مفاتیح الغیب' (۵۹:۶)، 'مقعد الصدق' (۵۵:۵۴)، اور 'ام الکتاب' (۷:۳) کا تعلق عالمِ جبروت سے ہے اور ذاتِ واجب الوجود کے عظیم الشان مظاہر ہیں۔ اسی طرح چار ملائک اور چار مفردات کا جوہر عالمِ ملکوت کے اندر عالمِ جبروت کا عکس ہیں۔ اسی طرح وجودِ انسانی عالمِ لاہوت کے ان مظاہر کا عکس ہے جن کا اظہار لاہوت سے جبروت میں اور جبروت سے ملکوت میں درجہ بدرجہ ہوا ہے۔

اسی طرح عالمِ لاہوت سے عالمِ ناسوت کی طرف سفر دراصل وحدت سے کثرت کی طرف سفر ہے۔ اظہارِ ذات کے یہ مدارج مندرجہ بالا عمودی نزولی سفر کے برعکس ایک افقی سفر پر مشتمل ہیں۔ اگر عالمِ لاہوت کو ایک سمجھا جائے تو عالمِ جبروت کو دس، عالمِ ملکوت کو سو اور عالمِ ناسوت کو ہزار گنا سمجھا جائے گا۔ اور یہی کائنات میں کثرتِ مظاہر کی بنیاد ہے اور سمنانی رحمۃ اللہ کے نظریۂ اظہارِ ذات کی بنیاد بھی اسی پر ہے جس پر آگے چل کر گفتگو ہوگی۔ عالمِ جبروت وملکوت اور ناسوت میں پیدا ہونے والی کثرت سے ذاتِ الٰہی کی وحدانیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ذاتِ الٰہی ہر شے سے ماورا، ہر قسم کے حلول، شرک اور اتحاد سے پاک ومنزہ، اور کسی شریک اور ہمسر کے بغیر واحد وبے ہمتا ہے۔

عالمِ لاہوت اسمِ ذات یعنی اللہ کا مقام ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ اسمِ ذات کی عظمت اس حقیقت سے واضح کرتے ہیں کہ اگر لفظ اللہ کے جو چار حروف ہیں اگر ان کو یکے بعد دیگرے الگ کر دیا جائے تب بھی وہ اللہ کا اسمِ پاک ہی رہے گا (یعنی اللہ سے ل کو نکال دیا جائے تو للہ رہ جاتا ہے، الف کو نکال دیا جائے تو لہٗ رہ جاتا ہے اور اگر دونوں کو نکال دیا جائے تو ھو رہ جاتا ہے اور یہ بھی اسمِ ذات کا نمائندہ ہے۔) مثال اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذات آیت کریمہ اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُو (۲:۲۵۵) میں استعمال ہوا ہے۔ اگر لفظ کا 'الف' دُور کر دیں تو اسمِ ذات کا استعمال اس آیت کی صورت میں ہوگا۔ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض

(۲۸۴:۲)۔ اب اگر پہلا 'لام' بھی ہٹا دیا جائے تو اس آیتِ کریمہ کی صورت سامنے آئے گی۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۱۶:۲) اب اگر دوسرا 'لام' بھی الگ کر دیا جائے تو 'ھو' یعنی 'وہ' رہ جائے گا جو بذاتِ خود اسمِ ذات ہے جیسا کہ اس آیتِ کریمہ سے واضح ہے۔ ھُوَ الْحَیُّ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو (۶۵:۴۰)

چونکہ ذاتِ خداوندی کی تفہیم ممکن نہیں اس لیے عقلِ انسانی کی معرفتِ خداوندی تک رسائی صفاتِ الٰہی کے ذریعے ہی ممکن ہے جن کا محل عالمِ جبروت ہے۔ صفاتِ الٰہیہ دو قسموں پر ہیں:

صفاتِ ذاتی اور صفاتِ افعالی۔

صفاتِ ذاتی کی تعداد آٹھ ہے جو حی، سمیع، بصیر، متکلم، مرید، قدیر، علیم اور حکیم ہیں۔ صفاتِ ذاتی ذاتِ الٰہی کی بعض مخصوص صفات کا نام ہے چنانچہ مذکورہ صفات کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا زندہ ہے، وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، کلام کرتا ہے، صاحب ارادہ ہے، قدرت رکھنے والا ہے، علم رکھنے والا ہے اور صاحب حکمت ہے۔ ان صفات میں سے کسی کا انکار نقصِ ایمان کا موجب ہے۔

صفاتِ افعالی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، افعالِ الٰہی سے وابستہ ہیں اور ان کی تعداد کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ صفاتِ افعالی آثار کا سرچشمہ ہیں۔ پس جہاں یہ کہنا درست ہے کہ اللہ تعالٰی خالق ہے، صانع ہے، رازق ہے، وغیرہ وغیرہ، اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تخلیق، صنعت اور رزاقی کی خصوصیات رکھتا ہے۔ صفاتِ افعالی غیر وجوبی ہیں اور ان صفات کے مخلوق ہونے کا عقیدہ نامناسب ہے تاہم اس سے ایمان میں خلل نہیں آتا۔

تجلیات کی درجہ بندی:

تجلیاتِ الٰہی کا اظہار انہی غیر وجوبی صفاتِ افعالی کی وساطت سے ہوتا ہے۔ یہ اظہار

بیک وقت مرئی اور غیر مرئی سطح پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی صفات کے واسطے سے ہے۔ اظہارِ ذاتِ خداوندی کا باعث یہ امر ہے کہ حسنِ ازل اپنا اظہار چاہتا ہے اور اس عقیدے کا ماخذ وہ حدیثِ قدسی ہے جو صوفیہ کے ہاں مقبول ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً .... الخ ''میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے اس کائنات کو خلق کیا۔'' پس اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں اور اس میں موجود مخلوق کو اس لیے خلق فرمایا کہ نورانی آسمانی مخلوقات آسمانوں میں اور ارضی مخلوقات زمین پر اس کی حمد و ثنا کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے روحِ انسانی کو اپنی غیرت کا ساتھی بنا کر خلق کیا تا کہ خود اس کی ذات کے علاوہ بھی کوئی اس کی معرفت حاصل کر سکے۔

ظاہری اور باطنی صفات کا یہ اظہار، اظہار کی بعض ذیلی صورتوں کو بھی جنم دیتا ہے جو دو طرح کی ہیں، عام اور خاص۔ عام اظہار لطفی یا قہری ہوتا ہے۔ قہری اظہار شیطان کے وسیلے سے ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں مکری اور بطشی۔ اول الذکر کا وسیلۂ اظہار علمائے سوء اور ملحد اور زندیق ہیں جبکہ مؤخر الذکر کا اظہار جہلاء اور کافروں کی شکل میں ہوتا ہے۔ پہلے گروہ کو خدا دین میں خود فریبی کی صورت میں سزا دیتا ہے جبکہ دوسرے گروہ کو ظلم و تعدی کی شکل میں سزا دیتا ہے۔ یہ دونوں گروہی دوزخی ہیں اور خود دوزخ سمیت یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قہری کا مظہر ہیں۔

صفاتِ لطفی کا اظہار ملائک کی صورت میں ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں صلحی اور عتابی ہیں۔ صفاتِ لطفی کا عتابی اظہار بندے کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرتا ہے اور اسے اخلاقِ حسنہ سے بدل دیتا ہے۔ صلحی اظہار بندے میں محبت اور شوق پیدا کرتا ہے اور قربِ خداوندی کا باعث بنتا ہے۔ یہ دونوں گروہ لطفِ خداوندی کے سزاوار ہیں اور اہلِ جنت میں سے ہیں۔ یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کی شانِ لطفی کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ تفسیر نجم القرآن میں

شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر مؤمن مسلمان اللہ تعالیٰ کی شانِ لطفی کا مظہر ہے اور وہ تا اَبد غریقِ رحمت رہے گا اور ہر گنہگار مشرک اس کی شانِ قہری کا مظہر ہے اور ہمیشہ مبتلائے عذاب رہے گا۔

تجلیاتِ الٰہی کا خاص باطنی اظہار بھی دو طریقے سے ہوتا ہے یعنی جلالی اور جمالی اظہار۔ جلالی اظہار لطائف عینیہ کو عالمِ کون وفساد کی آلائشوں سے پاک کرنے کا موجب ہے جس کے نتیجے میں قلب کے اندر حضورِ حق کا اثبات ہوتا ہے۔ جمالی اظہار کے ذریعے لطائف عینیہ کو حیاتِ ابدی حاصل ہوتا ہے جس کے باعث قلب میں خدا تعالیٰ کی ابدیت کی طرف کشش پیدا ہوتی ہے۔ اظہار کی ان دونوں صورتوں کے نتیجے میں بالآخر لطائفِ عینیہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لطائفِ عینیہ کا یہ احساس اور تکمیل راہِ سلوک کی مثالی منزل اور نتیجہ آخر ہے۔ یہ فکرِ سمنانی رحمۃ اللہ کا مرکزی نقطہ ہے۔

عالمِ روحانی و عالمِ جسمانی:

تجلیاتِ الٰہی کی ظاہری اور باطنی ثنویت فکرِ سمنانی رحمۃ اللہ کا خاصہ ہے۔ یہ فکر دو عوالم کی نشاندہی کرتا ہے جن میں سے ایک محدود ہے اور دوسرا لامحدود۔ محدود عالم عالمِ آفاق یا طبعی عالم ہے اور یہ حواس کی زد میں آنے والا جسمانی عالم ہے۔ لامحدود عالم عالمِ انفس ہے یا روحانی عالم ہے اور زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ یہ دونوں عوالم صفاتِ خداوندی کا مظہر ہیں یعنی عالمِ انفس اس کی صفاتِ باطنی کا مظہر ہے اور عالمِ آفاق اس کی صفاتِ ظاہری کا مظہر ہے۔

اگرچہ بظاہر عالمِ آفاق عالمِ انفس سے زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عالمِ آفاق اپنی مرئی اور غیر مرئی جہات یعنی ارواح و آفاق اور مافیہا کے سمیت وجودِ انسانی کا عالمِ اصغر ہے جب کہ خود انسان عالمِ اکبر بھی ہے۔ عالمِ روحانی یعنی وہ دنیا جو

جسمِ انسانی کے اندر موجود ہے عالمِ طبعی کا عالمِ اکبر ہے اور عالمِ طبعی جو جسمِ انسانی سے بظاہر کہیں بڑا معلوم ہوتا ہے دراصل عالمِ اصغر ہے۔ چونکہ ہم روح اور جسم کے تعلق کو حواسِ انسانی کے وسیلے سے دیکھتے ہیں اس لیے ہمیں دل کے مقابلے میں سینہ جو اس کو چھپائے ہوئے ہے زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے حالانکہ مابعد الطبیعاتی نقطۂ نظر سے دل سینے سے زیادہ بڑا ہے۔ وہ عالمِ روحانی جس کا دل ایک حصہ ہے عالمِ جسمانی اور صدرِ انسانی جیسی اس میں موجود چیزوں کی حدود اور قیود سے ماورا ہے۔

عالمِ جسمانی اور عالمِ روحانی کے اس باہمی ربط کے بارے میں سمنانی رحمۃ اللہ کا نظریہ نہایت غیر معمولی ہے اور اس مقبول عام صوفیانہ نظریے کے عین خلاف ہے جس کی رو سے انسانِ کامل کو کائنات کا عالمِ اصغر گردانا گیا ہے۔ صوفیہ کے عام نظریہ کو سمنانی رحمۃ اللہ کے معاصر عزیز الدین نسفی نے اپنی تصانیف خصوصاً 'زبدۃ الحقائق' میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔ نسفی جو سلسلۂ کبرویہ کے شیخ صدر الدین حمویہ کے شاگرد ہیں عالمِ اصغر اور عالمِ اکبر کے درمیان مکمل تطبیق پر زور دیتے ہیں اور اس سلسلے میں یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ سات آسمانوں کی اندرونی اعضاء کے ساتھ، سات سیاروں کی سات بیرونی اعضاء کے ساتھ، چار عناصر کی چار رطوبت ہائے مائیہ (خون، بلغم، سودا، صفرا) کے ساتھ اور بارہ بروج کی بارہ حواس (پانچ باطنی، پانچ ظاہری اور دو جذبی) کے ساتھ تطبیق کرتے ہیں۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے نظریے میں بھی عالمِ انفس اور عالمِ آفاق کے درمیان مکمل ہم آہنگی موجود ہے۔ عالمِ آفاق کی ہر شے کے مقابل عالمِ انفس میں بھی ایک شے موجود ہے۔ اس تطبیق میں دونوں عوالم کے اندر غیب اور شہادت کا متوازی وجود شامل ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ اپنی تصنیف 'الوارد الشاہد' میں فرماتے ہیں۔

"جان لو کہ جس طرح عالمِ جسمانی میں غیب اور شہادت دونوں موجود ہیں اسی

طرح عالمِ روحانی میں بھی غیب اور شہادت دونوں کا وجود ہے۔ عالمِ روحانی کا غیب عالمِ جسمانی کے غیب سے لطیف تر اور عظیم تر ہے۔ جنت اور دوزخ عالمِ روحانی کے عالمِ غیب میں موجود ہیں اور عالمِ جسمانی میں موجود ان کے غیب سے عظیم تر ہیں۔ عالم روحانی کا عالمِ شہادت عالمِ جسمانی کی شہادت سے کثیف اور قلیل ہے۔"

سمنانی رحمۃ اللہ کی تحریروں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عالم جسمانی اور روحانی کا فرق صرف یہ نہیں کہ ایک نظر آتا ہے اور دوسرا نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس ان دونوں عوالم کے اپنے اندر غیب و شہادت یعنی نظر نہ آنے والی اور نظر آنے والی جہات موجود ہیں۔ چونکہ عالمِ روحانی عالمِ جسمانی کا عالمِ اکبر ہے اس لیے روحانی عالم میں موجود اشیاء بلحاظِ معیار عالمِ جسمانی سے برتر ہیں۔ علاوہ بریں چونکہ عالمِ روحانی میں مابعد الطبیعاتی پہلو زیادہ اہم ہے اس لیے عالم روحانی کا غیب عالمِ جسمانی کی مافوق الحواس اشیاء کی نسبت لطیف تر ہے۔ دوسری طرف عالمِ روحانی کی شہادت یعنی نظر آنے والی چیزیں عالمِ جسمانی کی شہادت کی نسبت کمتر اور قلیل تر ہے کیونکہ عالمِ روحانی میں کارگر ہونے والے حواسِ روحانی کی زد سے بمشکل کوئی چیز ماوراہوتی ہے۔

اگر چہ روحانی اور جسمانی عوالم کے عالمِ غیب اور عالمِ شہادت میں لطافت اور کثافت کے اعتبار سے بڑا فرق ہے لیکن ان دونوں دنیاؤں میں موجود اشیاء کی باہمی تطبیق ممکن ہے۔ عالمِ جسمانی کا عالمِ شہادت زمینوں اور آسمانوں اور جملہ اجرامِ فلکی اور ان میں موجود حیوانات، نباتات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس عالم کی تطبیق عالمِ روحانی کے عالمِ شہادت یعنی جسمِ انسانی کے اجزا جیسے قوائے جسمانی، رطوبت ہائے مائیہ، وریدوں، اعصاب اور اعضاء کے ساتھ ممکن ہے۔ اسی طرح جیسے عالمِ جسمانی کا عالمِ غیب جنوں اور فرشتوں پر مشتمل ہے

اسی طرح عالمِ روحانی کا عالم غیب نفس، قلب، سرّ، روح اور خفی پر مشتمل ہے۔ عالمِ جسمانی اور عالمِ روحانی کے غیب اور شہادت کے درمیان مکمل مطابقت پائی جاتی ہے سوائے اس کے کہ عالمِ روحانی کے غیب میں قلب یا دل شامل ہے جو تکمیلِ انسانی کا ذریعہ ہے اور اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی چیز عالمِ جسمانی میں موجود نہیں ہے۔

عالمِ روحانی و جسمانی اور ان عوالم میں موجود جملہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے خلق اور فیض کے عمل سے پیدا کیا ہے۔ اوّل چیز جو خلق ہوئی اس کی حقیقت مختلف پیرایوں میں بیان ہونے کے باوجود ایک ہے۔ 'الوارد الشاہد' میں شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمائی، قلم تھی۔ اور فرمایا ''پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی روح تھی۔'' پھر فرمایا ''پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی عقل تھی۔'' ان ارشادات میں علامتی طور پر ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ نے قلم کے ذریعے سکھایا جو کہ مرتبۂ وجود میں اولیں تخلیق ہے۔ اور اللہ نے روحِ محمدی ﷺ کے ذریعے سکھایا جو مرتبۂ حیات میں پہلی تخلیق ہے۔ اور اللہ نے نور کے ذریعے سکھایا جو مرتبۂ سیر میں اولیں مخلوق ہے۔ اور اللہ نے عقل کے ذریعے سکھایا جو مرتبۂ معاون المفردات المعنویہ میں خلقِ اول ہے۔''

یہ بظاہر اس نوفلاطونی تصوّر کے مطابق کہ واحد سے واحد کا ظہور ممکن ہے، کثرتِ ظہور کی تاویل کی کوشش ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک خلقِ اوّل کے باب میں مندرجہ بالا ہر ایک بیان حقیقتِ واحدہ کا بیان ہے۔ ظاہری فرق کا شائبہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے استعارہ کا استعمال فرمایا ہے جبکہ ہر استعارہ خلقِ اول کی حقیقت کا ایک مختلف پہلو ہے۔ ان میں سے پہلو یعنی نور و روحِ محمدی ﷺ حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

حقیقی معنوں میں ابوالبشر کے درجہ پر ہونے سے متعلق ہیں۔ دوسرے دو پہلو یعنی قلم اور عقل اس کے بعد درجہ بدرجہ ظہور سے وابستہ ہیں۔ قلم وجود کے مرتبے میں خلقِ اوّل ہے۔ یہ فعلی سطح پر ہونے والی پہلی تخلیق ہے۔ جبکہ لوحِ عقل امکانی سطح پر اللہ تعالیٰ کی پہلی تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قلمِ فعلی سے لوحِ عقلی پر عالمِ کون و مکاں کی ہر شے اور اس کے وقتِ مقدر کا خاکہ کھینچا۔ اس خاکے کی سیاہی سے عالمِ شہادت اور اس کی سفیدی سے عالمِ غیب کا ظہور ہوا۔ اس طرح سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک تخلیق تحریر کا سا عمل ہے۔ قلم لوح پر لکھتا ہے اور یوں عالمِ امکاں کی جسمانی اور روحانی تقسیم ہو جاتی ہے یعنی تحریر شدہ الفاظ عالمِ جسمانی اور لوح کا خالی حصہ عالمِ روحانی کی شکل میں صورت پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح سمنانی رحمۃ اللہ تخلیق اور ظہور کے ظاہری تضاد کا حل ایسے نظریے سے پیش کرتے ہیں جسے کسی مناسب اصطلاح کی عدم موجودگی میں قرآنی نوفلاطونی کونیات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مدارجِ تخلیق میں عالمِ غیب و شہادت کا ظہور براہِ راست خلقِ اوّل سے نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دس مدارج ہیں جنہیں سمنانی رحمۃ اللہ لطائف قرار دیتے ہیں اور جو خلقِ اول اور عالمِ غیب و شہادت کی جہات کے درمیان واسطے ہیں۔

ظہور اور مرکب جسمِ انسانی:

دس لطائف کا ظہور عالمِ لاہوت میں خلقِ اوّل سے ہوتا ہے، لیکن وہ حضورِ احدیت میں رہنے کی بجائے ایک نزولی سفر کرتے ہوئے عالمِ جبروت میں پہنچ جاتے ہیں یہاں وہ صفاتِ جبروتیہ کی صورت میں پہچانے جاتے ہیں۔ اس عالم سے لطائف رقائق کی شکل میں مقاماتِ ملکوتی کی طرف سفر کرتے ہیں جو عالمِ ملکوت میں ہیں یہاں وہ صفات فعلیہ الٰہیہ کی شکل میں شناخت ہوتے ہیں۔ اس مقام سے وہ دقائق کی صورت میں مقاماتِ انسانی کی طرف نزول کرتے ہیں جو عالمِ ناسوت یا عالمِ جسمانی میں ہیں۔ یہاں پہنچ کر دقائق میں موجود آثار کو ظہور کی صورت عطا ہوتی ہے۔

دس لطائف علویہ کی عالمِ لاہوت میں حضورِ احدیت سے عالمِ ناسوت کی طرف سفر ظہور و تجلی کی علامت ہے۔ اس نزولی سفر میں یہ لطائف عالمِ جبروت اور عالمِ ملکوت سے گزرتے ہیں۔ اسی عمل سے ان لطائف میں تفرق پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں یہ لطائف صفاتِ الٰہیہ سے رقائق اور افعالِ الٰہیہ سے دقائق کی شکل اختیار کرتے ہیں اور اسی طرح آخرِ کار وہ افعال سے آثار کی صورت میں آجاتے ہیں۔ چار عوالم کے اندر وحدت سے کثرت کی طرف اس سفر کے نتیجے میں ایک دس بن جاتا ہے، دس سو اور سو ہزار کی صورت اختیار کرتا ہے۔

جوہرِ علوی یا سماوی سے افلاک کا ظہور ہوتا ہے جن کی تعداد نو ہے اور ترتیب نزولی میں ان کے نام یہ ہیں۔ فلکِ اوّل کرسی ہے جسے غیر صوفی فلکِ اطلس یا فلک الافلاک بھی کہتے ہیں۔ دوسرا آسمان فلکِ مجمع الکواکب ہے جسے فلکِ نجومِ ثابت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد فلکِ زحل، فلکِ مشتری، فلکِ مریخ، فلکِ شمس، فلکِ زہرہ اور فلکِ عطارد ہیں۔ آخری فلک فلکِ قمر ہے جس کے بعد عالمِ ارضی و سفلی شروع ہوتا ہے۔ یہ افلاک روح اور عقل کے حامل ہیں جو ان افلاک کی مرتب حرکت سے مل کر عوالم سفلیہ کے ظہور کا موجب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان افلاک کو فاعل سمجھا جاتا ہے اور آبائے علوی کہلاتے ہیں۔

نو افلاک کے بعد چار ارضی عناصر کے دائرے ہیں۔ پہلا دائرہ ایتھر کا ہے جس کا مظہر آتش ہے، دوسرا باد کا ہے جس کی علامت ہوا ہے، تیسرا کرۂ آبی ہے اور چوتھا کرۂ خاکی۔ یہ چاروں کرّے افلاک سماوی یا آبائے علوی کی حرکت کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اس لیے انہیں امہاتِ سفلی کہا جاتا ہے۔ امہاتِ سفلی قابلیت کی حامل ہوتی ہیں جبکہ آبائے علوی فاعلیت رکھتے ہیں۔ اس قابلیت اور فاعلیت کے ملاپ کے نتیجے میں موالید کا ظہور ہوتا ہے جو سفلی سطح پر موجود ہر شے میں موجود ہیں۔

فاعل آبائے علوی اور قابل امہاتِ سفلی کے ملاپ کے نتیجے میں ارضی سطح پر ظہور پذیر ہونے والی پہلی چیز معادن ہے۔ یہ بے جان مادہ اجرامِ سماوی میں ظہور کے صعود کا نتیجہ ہے جو زمین پر سکونت پذیر ہوتا ہے۔ عالمِ ارضی میں نزول کے بعد یہ بے جان مادہ اپنے منبع سے اتحاد حاصل نہیں کر سکتا لیکن صعود یا ارتقاع کے ذریعے وہ اپنے اصل کی طرف لوٹنا چاہتا ہے۔ تاہم اپنی فطری کمزوری اور خصوصیاتِ علوی و سماوی کے فقدان کے باعث وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

ارضی ظہور کا دوسرا مرحلہ نباتات کا ہے جو نجومِ ثابت و دوّار یعنی ستاروں اور سیاروں کے اس ماتحتی ظہور سے پیدا ہوتی ہے جو سطحِ ارض پر سکونت پذیر ہوا ہے۔

تیسرا مرحلہ حیوانات کا ہے جو ستاروں اور سیاروں اور فلک اطلس کے ظہور و تجلی کے زمین سے مضبوط ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ رسالہ 'فتح المبین' میں شیخ سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''عالمِ حیوانات کی مکمل ترین صورت انسان ہے جو خاتمِ موالید اور حاملِ اماتِ علمِ اسماء و صفات و ذاتِ الٰہیہ ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی خلافت کا حق دار ہے۔''

جملہ موجودات صاحبِ قوت ہیں اور وہ دوسری اشیاء پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تاہم یہ قویٰ ان کی اپنی قدرت سے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تفویض کردہ ہیں۔ یہ قویٰ ان اشیاء سے جن کے اندر وہ موجود ہوتے ہیں، الگ قائم نہیں رہ سکتے اور یہ کہنا غلط ہے کہ وہ جداگانہ اور آزادانہ وجود رکھتے ہیں یا دیگر خصوصیات جیسے جنس یا احساس و ادراک وغیرہ کی حامل ہوتے ہیں۔ تمام موجوداتِ سماوی و ارضی مخلوقاتِ الٰہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان سے رزق پہنچاتے ہیں۔ یہ تمام موجودات فانی ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی آیت **کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام** (۵۵:۲۶) میں اس طرف اشارہ ہے۔

فنا مرکبات کی تخریب کا نام ہے اور صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے جبکہ ہلاک ہونا عناصر سے متعلق ہے اور یہ معدومیت مظہرِ ذات ہے۔ اس بیان سے سمنانی رحمۃ اللہ کی مراد شاید یہ ہے

کہ جب دقائقِ سماوی وارضی مٹ جائیں گے تو ذاتِ الٰہی کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں ان کا وجود امکانی ہے۔

ظہوراتِ سماوی وارضی بعض صفاتِ خداوندی کا مظہر ہیں اور خداوند تعالیٰ کی خلاقی کے بعض پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ عناصرِ سماوی مرآتِ موجدیہ ہیں، معادن یا مادۂ سفلی مرآتِ مبدعیہ ہیں، نباتات مرآتِ خلقیہ ہیں اور حیوانات مرآتِ مصوریہ ہیں۔

ہر وجودِ سفلی کا عالمِ علوی میں ایک حاکم یا قائم مقام موجود ہوتا ہے۔ عقل معادن کا حاکم ہے، ملائک نباتات کے حاکم یا قائم مقام ہیں اور جنات حیوانات کے حاکم ہیں۔ نو افلاکِ سماوی، چار دوائرِ ارضی یعنی عناصر اربعہ اور دیگر ظہوراتِ ارضی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ظاہری و باطنی کی مرآت یا آئینے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی پوری قدرت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔

تاہم ان آئینوں میں سے کوئی آئینہ مکمل اور اس امر کے قابل نہیں کہ اس امانت کو سنبھال سکے جو ذاتِ الٰہی کے علم پر مشتمل ہے۔ کیونکہ عالمِ علوی کے آئینوں میں سفلی عناصر کا فقدان ہے اور عالمِ سفلی کے آئینوں میں علوی عناصر موجود نہیں۔ صرف وجودِ انسانی ہی وہ آئینہ ہے جس کے اندر عناصرِ علوی و سفلی دونوں کا امتزاج ہے۔ 'قواطع السواطع' میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

"صبحِ ازل ظلمتِ تخلیق اور نورِ علمِ الٰہی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے وجودِ انسانی کے گارے کو عالمِ علوی اور عالمِ سفلی سے لے کر اپنے لطف اور قہر کے دو ہاتھوں سے گوندھا اور اس میں لطائفِ تخلیق اور علمِ الٰہی کو شامل کر کے چالیس درجے اور چار عوالم یعنی عالمِ لاہوت، عالمِ جبروت، عالمِ ملکوت اور عالمِ ناسوت بنائے۔" ☆

باب پنجم

جسمِ روحانی اور آئینۂ خداوندی

انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔ مرکباتِ سفلیہ جیسے نباتات و حیوانات اور مرکباتِ علویہ جیسے فرشتے اور جن دونوں ہی خلقت کے اعتبار سے ناقص ہیں کیونکہ ان میں عوالمِ علویہ و سفلیہ کے عناصر کا امتزاج موجود نہیں ہے۔ انسان کا درجہ اس لیے برتر ہے کہ اس کی خلقت میں ہر دو عوالم کے عناصر شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان روئے زمین پر تجلیاتِ الٰہی کے تمام مراحل کا نمائندہ ہے اور اس حدیثِ شریف کے مطابق کہ ''اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر خلق فرمایا''، انسان احسن التقویم کا شاہکار ہے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی دیگر صوفیاء کی طرح یہ عقیدہ ہے کہ انسان کے اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کیے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ وجودِ انسانی صفاتِ الٰہیہ کا حامل ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو خاتم التراکیب کا منصب عطا کیا گیا ہے اور اسے وہ امانتِ علم عطا ہوئی ہے جس کے بل بوتے پر وہ معرفتِ ذاتِ الٰہی کا اہل قرار پاتا ہے۔ وجودِ انسانی وہ برزخ ہے جس کے ذریعے قوائے علوی و نورانی اور قوائے سفلی اور ظلمانی کی تفریق ہوتی ہے۔ ساتھ ہی وجودِ انسانی ان دو قسم کی قوتوں میں اتحاد کا باعث بھی بنتا ہے کیونکہ وہ علوی قوتوں سے کثیف تر اور سفلی قوتوں سے لطیف تر ہے۔ اس اعتبار سے وجودِ انسانی کو پٹھے یا وتر کی طرح ہے جو عضلات کو ہڈیوں سے ملانے کے کام آتا ہے اور اس کے بغیر جسمِ انسانی کی ترکیب ممکن نہیں ہوتی۔

بوقتِ تخلیق انسانی جسم کے اندر امانتِ الٰہی کا بار اٹھانے کی قابلیت ودیعت کی گئی

ہے لیکن صوفیانہ ریاضت و مجاہدہ سے ہی اس کا بالفعل اظہار ممکن ہے۔ ظاہری اعتبار سے تو انسان دیگر حیوانات کی طرح محض ایک جانور ہے اگرچہ وہ اس اعتبار سے بھی سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ ظاہری جسم چار عناصر سے مرکب ہے۔ نفسِ ارضی، قلب آبی، سرّ ہوائی اور روحِ آتشی۔ ترکیب کے اعتبار سے انسانی جسم حیوانوں سے مماثل ہے اور انہی کی طرح اس پر خواہشات اور قوائے شہوانی کا غلبہ ہے۔ نورِ روحانی کی عدم موجودگی میں وجودِ انسانی کے یہ چار عناصر اپنے فطری تقاضوں کے حامل ہوتے ہیں۔ پس نفس پستی اور سستی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ قلب کا میلان خواہشات اور تفکرات کی طرف ہوتا ہے۔ سرّ جذبہ اور خود پسندی کا رجحان رکھتا ہے اور روح تکبر اور غضب کی حامل ہوتی ہے۔ جب جسمِ انسانی نورِ روحانی کا حامل بن جاتا ہے تو ان میلانات کی اصلاح ہو جاتی ہے اور زہد و تقویٰ کا باعث بننے والی خصوصیات کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ نفس پستی کی بجائے تزکیہ اور سستی کی بجائے ثابت قدمی کا حامل بن جاتا ہے۔ قلب فکرِ آخرت کا حامل بن جاتا ہے اور اخروی نعمتوں کے خیال سے شادمان رہتا ہے۔ سرّ محبتِ الٰہی کا حامل بن جاتا ہے اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے اور روح میں تکبر کی بجائے ترحّم اور غضب کی جگہ جوش و ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ قلب ماہیت دراصل جسمِ روحانی کے ارتقاء کی صورت میں رونما ہوتی ہے جو عالمِ روحانی میں عالمِ جسمانی کے مادی جسم کا قائم مقام ہے۔ یہ جسمِ روحانی علوی عناصر سے تشکیل پاتا ہے اور سات لطائف پر مشتمل ہے جو عالمِ جسمانی میں اپنا وجود رکھتے ہیں اور مادی جسم کے فنا پذیر ہونے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ یہ لطائف درجہ بدرجہ تکمیل حاصل کرتے ہیں اور یہ ارتقاء وجودِ انسانی کی عظیم ترین روحانی منزل کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔

جسمِ روحانی کی ماہیت:

مذکورہ بالا ارتقاء کا پہلا نتیجہ لطیفۂ قالبیہ ہے جو دس علوی عناصر اور سفلی عناصر کے ملاپ

کے نتیجے میں تشکیل پانے والے مادی جسم پر عرش اور کرسی کی تجلیات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لطیفہ کے مادی وجود پر حاوی ہونے کے باعث انسان دیگر حیوانات سے ممیز ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وحشی انسان یا انسانِ آفاقی ہے جو تہذیب و تمدن سے بے خبر جنگلوں اور ویرانوں میں رہتا ہے اور دیگر حیوانات سے محض اپنی قوت گویائی کے باعث ممتاز ٹھہرتا ہے۔ یہ لطیفہ اس رَحم کا بھی نام ہے جس میں بدنِ مکتسب کا جنین پرورش پاتا ہے اور جو فانی مادی جسم کے فنا پذیر ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا نتیجہ لطیفۂ نفسیہ ہے جو کرسی اور لوح کی غالب تجلیات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لطیفہ کے نتیجے میں وجودِ انسانی ایسے شعور و وجدان کا حامل بن جاتا ہے کہ وہ انسانِ کافر کے مرتبے میں آ جاتا ہے، جو انسانی معاشرے کے معاشرتی اور سیاسی قوانین کی پاسداری کرنے کے باوجود کفر و شرک پر قائم رہتا ہے اور اس کا شعور و وجدان ظلمت کا اسیر رہتا ہے۔

تیسرا مرحلہ لطیفۂ قلبیہ کا ہے جو لوحِ عقل کی غالب اور مدادِ محمدی ﷺ کی مغلوب تجلیات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لطیفہ کا حامل جسمِ اکتسابی کی ظلمت سے پاک ہو جاتا ہے جو اس کی ظلمتِ فطرت سے ہی رخصت ہو جاتی ہے۔ ظلمتِ کفر کی جگہ وہ نورِ ایمان سے بھر جاتا ہے اور ایسا مسلمان بن جاتا ہے جو ایک عام مہذب کافر سے جداگانہ شناخت کا حامل ہوتا ہے۔

بقیہ چار مراحل تکمیلِ روحانی سے وابستہ ہیں اور روحانی ارتقاء کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ چوتھی منزل لطیفۂ سرّیہ کی ہے جو لوحِ عقل اور مدادِ محمدی ﷺ کی غالب اور دواتِ محمدی ﷺ کی مغلوب تجلیات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لطیفہ کا حامل وہ مؤمن ہے جو نورِ ایمان سے مالا مال ہو اور جس کے جسمِ اکتسابی کو تلوّن سے نجات مل چکی ہو۔

پانچواں مرحلہ لطیفۂ روحیہ کا ہے جو لوحِ عقل، مدادِ محمدی ﷺ اور دواتِ محمدی ﷺ کے غالب اور قلمِ خفی کی مغلوب تجلیات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ لطیفہ ایک عام مؤمن کو درجۂ ولایت کا حامل بنا دیتا ہے۔

چھٹا مرحلہ لطیفۂ خفیہ کا ہے جو قلمِ خفی اور دیگر عناصرِ علوی کے غالب نقطۂ واحدیہ کی مغلوب تجلیات کے نتیجے میں وجود پذیر ہوتا ہے۔ یہ لطیفہ نبی ﷺ کو ولی سے ممتاز بناتا ہے۔

آخری نتیجہ لطیفۂ حقیقیہ ہے جو نقطۂ واحدیہ کی غالب اور نقطۂ احدیہ کی مغلوب تجلیات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لطیفہ کا حامل حقیقتِ محمدیہ ﷺ سے آگاہ ہوتا ہے جو خاتمِ نبوت ہے اور کمالِ انسانی کا نقطۂ آخر ہے۔

وجودِ انسانی کے عالمِ روحانی میں مندرجہ بالا سات مراحل کی درجہ بندی عالمِ محسوسات میں سات انبیاء کرام علیہم السلام کی موافقت سے ہے۔ وجود کے اندر یہ پیغمبران مراحل کی درجہ بدرجہ علامت بنتے ہیں۔ جس طرح تاریخ انسانی میں ان سات پیغمبروں کا ظہور انسانی معاشرے کے ارتقاء کے مختلف مدارج پر ہوا اسی طرح عالمِ روحانی میں بھی یہ سات پیغمبر ارتقاء و تکمیلِ روحانی کے مختلف مدارج کی علامت بنتے ہیں۔

چنانچہ پہلا مرحلہ یعنی لطیفۂ قالبیہ انسان کے وجودِ مادی کا نمائندہ ہے جو تخلیق کا ماحصل ہے۔ یہ مادی جسم انسان کے اکتسابی روحانی جسم کا گویا سانچہ ہے۔ مراحلِ ارتقاء میں اولیت کی بنا پر اس لطیفہ کو وجودِ انسانی کا آدم علیہ السلام کہا جاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ لطیفۂ نفسیہ کا ہے۔ یہاں نفس سے مراد وہ نفسِ امارہ نہیں جو شہوت اور ہوائے نفسانی کا خوگر ہے اور بدی کی طرف مائل کرتا ہے بلکہ یہ ایسا نفس ہے جو جسمانی دنیا میں مصائب و شدائد کا شکار رہتا ہے اور ساتھ ہی جسم کا زمامِ اختیار بھی سنبھالتا ہے اور اس کے مقابل آ کر اس کی فطری بے ترتیبی کو بھی روکتا ہے اسی طرح جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کا سامنا کیا تھا۔ اس لیے اس لطیفہ کو وجودِ انسانی کا نوح علیہ السلام تصور کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ لطیفہ قلبیہ کا ہے۔ یہ وہ صدف ہے جس میں درِ لطائفِ عینیہ یعنی کامل وجودِ انسانی کا موتی پرورش پاتا ہے۔ اس طرح یہ ایسا آبائی لطیفہ بھی ہے جس کے صلب میں دیگر لطائف کی نسلیں پرورش پاتی ہیں۔ اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے جن کے صلب سے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اس لیے اس لطیفہ کو وجودِ انسانی کا ابراہیم ؑ سمجھا گیا ہے۔

چوتھے مرحلے میں لطیفہ سریہ ہے جو خدا تعالیٰ سے مناجات یعنی براہِ راست رابطے کی علامت ہونے کی وجہ سے وجودِ انسانی کا موسیٰ ؑ کہلایا گیا ہے۔

پانچویں درجے پر لطیفہ روحیہ ہے۔ چونکہ روحِ انسانی مملکتِ جسمِ انسانی کے اندر خدا کا خلیفہ ہے چنانچہ اسی طرح کے خرقہ خلافت کے حامل ہونے کی بنا پر اس لطیفہ کو وجودِ انسانی کا داؤد ؑ کہا گیا ہے۔

چھٹا مرحلہ لطیفہ خفیہ کا ہے۔ روح القدس کی مدد سے یہ لطیفہ تمام امم لطائف ساتویں اور آخری مرحلے یعنی لطیفہ حقیقیہ کا مژدہ سناتا ہے۔ اس حقیقت کی بنا پر اسے وجودِ انسانی کے عیسیٰ ؑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ساتواں درجہ لطیفہ حقیقیہ کا ہے یہ اسی طرح لطائف کا آخری درجہ ہے جس طرح حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اس لطیفہ تک رسائی کے ساتھ حقیقت کا مکمل کشف حاصل ہوتا ہے۔ مقدمہ تفسیر القرآن میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

> ''حقیقت الحقیقت کا روشن علامات کے ساتھ ظہور جو تیرے وجود کا محمد ﷺ ہے ان تمام حقائق کی نقاب کشائی کرتا ہے جو عناصرِ علویہ وسفلیہ میں مخفی ہیں اور جو لطائف جسمانی اور اس کے مرکباتِ تخلیق اور نفس، قلب، سر، روح اور خفی کے لطائف میں موجود حکمِ الٰہی کا امتزاج ہیں۔''

ہفت اقلیمِ عالمِ روحانی:

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا سات لطائف کو ہفت اقلیم اور ان کے مجموعے کو جنت الوجود قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر اقلیم کو ایک حجاب یا پردہ دیگر اقالیم سے الگ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر اقلیم کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو اس کے باسیوں پر حاکم ہوتا ہے۔ پہلا پردہ جسمِ انسانی کا ہے جو اقلیمِ جن کے اوپر ہے جس کا حاکم شیطان ہے۔ دوسرا پردہ صدر یا سینہ کا ہے جو اس اقلیم پر ہے جس کا حکمران نفس ہے۔ تیسرا پردہ، جو قلب ہے اور اقلیمِ قلب روحانی پر ہے۔ چوتھا پردہ جنت القلب ہے جس کے پیچھے موجود اقلیم پر سِرّ کی حکمرانی ہے۔ پانچواں پردہ بھا ہے جو اقلیمِ روح کو چھپائے ہوئے ہے۔ چھٹا پردہ سویدا ہے اس کے عقب میں وہ اقلیم ہے جہاں خفی کا اظہار ہوتا ہے۔ ساتواں اور آخری پردہ غیب الغیوب ہے جو مقامِ ابد ہے اور جہاں تمام بادشاہوں کا بادشاہ جلوہ گر ہوتا ہے اور یہ سلطنتِ حقیقت ہے جہاں تک سالک کی رسائی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ باطنی تجربے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ان باطنی اقلیم میں سے ہر ایک میں ایک باطنی مخلوق آباد ہے جسے قوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ سات جسمانی اقالیم میں آباد انسانوں کی قائم مقام ہے۔ جس طرح اقالیمِ جسمانی میں نیک اور بد انسان آباد ہیں اسی طرح اقالیمِ روحانی میں بھی خیر و شر کی قوتیں موجود ہیں۔ وہ قوتیں جو مستقلاً متوازن رہتی ہیں اہلِ تقویٰ ہیں، وہ قوتیں جو مستقلاً غیر متوازن رہتی ہیں وہ اہلِ کفر ہیں اور وہ قوتیں جو توازن اور عدمِ توازن کے درمیان بھٹکتی رہتی ہیں اہلِ نفاق ہیں۔ ابتداء میں ایمانی قوتیں بھی ہوا و ہوس کی طرف مائل ہوتی ہیں اور جسم اور نفسِ رذیلہ کی قوتوں کی طرف کشش محسوس کرتی ہیں۔ تاہم اگرچہ وہ حکمِ الٰہی کے معنی سے بے خبر ہوتی ہیں، وہ اپنے متعلقہ لطائف کی (جو عالمِ محدود کے کسی پیغمبر علیہ السلام سے وابستہ ہوتے ہیں)، شدّ و مد کے ساتھ پیروی کرتی ہیں۔

ان سات اقالیم میں آباد مخلوق میں سے بعض قوتیں متعلقہ مخصوص لطیفہ کے فطرتِ حقیقی کے قریب ترین پہنچ جاتی ہیں۔ ان قوتوں سے ایک پیغمبر تشکیل پاتا ہے جو ان قوتوں کو اس مذہب کی طرف بلاتا ہے جو اس مخصوص لطیفہ کی تجسیم سے پیدا ہوتا ہے۔ طبعی دنیا میں یہ وہ صورت حال ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام نے ایک دین قائم کیا اور حضرت نوح علیہ السلام تک آنے والے انبیاء اسی کی تبلیغ کرتے رہے۔ جب یہ دورِ نبوت حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچا تو آپ نے اپنے زمانے کے دینی ارتقاء اور لوگوں کے عقل و شعور کے اعتبار سے ایک نئی شریعت نافذ کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء اسی شریعت کے مطابق انسانی معاشرے کو دین کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کے بعد آنے والے پیغمبر آپ کی شریعت کے مطابق دین کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے جن پر توریت نازل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے دور تک انبیاء نے شریعتِ موسوی کی تبلیغ کی یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی۔ چنانچہ اقلیم روحانی کے مثالی لطائف اور ان کے بعد آنے والی خیر اور تقویٰ کی قوتیں جو ان مثالی لطائف کے قوانین پر عمل پیرا ہیں، عالمِ جسمانی میں ان کی مثال وہ رُسُل ہیں جنہوں نے کتبِ الہامی کی بنیاد پر ایک خاص شریعت نافذ کی اور ان کے بعد انبیاء اس شریعت کے مطابق اہلِ عالم کی رہنمائی کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد کے پیغمبر سنتِ داؤدی پر عمل پیرا رہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور آپ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے نبی انجیل مقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کردہ شریعت پر عمل پیرا رہے یہاں تک کہ آخرکار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔آپ کی شریعت گزشتہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہے اور یہی حال آپ کی وحی اور الہام (یعنی قرآن مجید) کا ہے۔ سلسلۂ نبوت اختتام کو پہنچا اور حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی امت کے علماء کو وہ منصب عطا ہوا جو گزشتہ انبیاء کا تھا یعنی شریعت محمدیہ ﷺ کی روشنی میں اہلِ عالم کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت۔

پس تاریخِ انسانی یا عالمِ مادی میں ان سات پیغمبروں کی مثال لطائفِ عالمِ روحانی کے سات پیغمبروں کی سی ہے۔ دونوں طرح کے پیغمبر اپنی اپنی قوم کی ایک مخصوص شریعت کے تحت راہ رہنمائی کرتے ہیں۔ مقدمہ تفسیر القرآن میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"سو جو کچھ تم نے کتاب (قرآن مجید) میں حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کے پیرائے میں سنا اسے عالمِ روحانی کے لطیفۂ قالبیہ کے ذریعے بھی سنو اور نفس کو جن اوامر و نواہی کا حکم ہے عالمِ جسمانی کی مثال کے مطابق ان کی پیروی کرو۔ یقین رکھو کہ اس کتاب کی باطنی جہت عالمِ روحانی میں تمہاری اسی طرح رہنمائی کرتی ہے جس طرح اس کی ظاہری جہت نے عالمِ ظاہری میں آدم علیہ السلام کی رہنمائی کی تھی۔"

حضرت آدم علیہ السلام کی مذکورہ بالا مثال کی طرح قرآن پاک میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے بھی جو خطاب کیا گیا ہے ان کو بالترتیب لطائفِ نفسیہ، لطائفِ قلبیہ، لطائفِ سرّیہ، لطائفِ روحیہ اور لطائفِ خفیہ کی مدد سے سننا چاہیے۔ ان انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے یہ لطائف عالمِ روحانی کے اعلیٰ مراتب کی طرف انسان کی رہنمائی کرتے ہیں اور آخر کار وہ مرحلہ آجاتا ہے جسے لطیفۂ حقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو دراصل حقیقتِ محمدیہ ﷺ ہے اور دیگر تمام لطائف اور ان سے متعلق قوتوں کا رہنما ہے۔

لطیفۂ قالبیہ سے جس کی تطبیق حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہے، سے لے کر لطیفۂ حقیہ تک جس کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، لطائفِ عالمِ روحانی میں بتدریج اعلیٰ مراتب کی طرف سفر، جس میں ہر مرحلے پر نئے لطائف کی نقاب کشائی ہوتی ہے دراصل سالک کے روحانی ارتقاء کو ظاہر کرتا ہے۔ ان میں سے ہر مرحلہ سابقہ مرحلے سے برتر اور عظیم تر ہے اور کسی مرحلے کا شعور عین اس مرحلے کو طے کرنے اور اگلے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ شیطان کے عالم جسمانی کی نوعیت کو سمجھنا نگاہِ نفس کے بغیر ممکن نہیں اور عالمِ نفس کو سمجھنا نگاہِ قلب کے بغیر ممکن نہیں۔ عالمِ جسمانی کی طرح عالمِ روحانی میں بھی سالک ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں صرف اسی وقت داخل ہوسکتا ہے جب وہ اس کے لیے تیار ہو اور متعلقہ علمِ باطنی کے ادراک کی قابلیت کا حامل ہو چکا ہو۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر کسی شخص پر جو اہلیت نہ رکھتا ہو، حقائق کا انکشاف ہو تو وہ اسے برداشت نہیں کر پائے گا۔ ہر شخص کی قابلیت اور استعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی اس لحاظ سے اس پر حق کا انکشاف کرتا ہے۔

لطائف کا باطنی صعود:

لطائفِ سبعیہ وہ مراحل ہیں جن سے گزر کر سالک روحانی تکمیل کی اعلیٰ ترین منزل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اس نظام کا آغاز اجزائے علویہ کی تجلیات کی صورت میں ہوتا ہے جن کا اظہار اجزاء و اجرامِ سفلیہ کی وساطت سے ہوتا ہے اور جمادات، نباتات، حیوانات کی شکلوں میں تدریجی ارتقاء پاتا ہوا نوعِ انسانی کی تشکیل پر منتج ہوتا ہے جس کے وجود کے اندر ان لطائف کے جملہ باطنی مدارج موجود ہوتے ہیں۔

حقیقی معنوں میں عالمِ روحانی میں پانچ اہم مدارج ہیں یعنی نفس، قلب، سرّ، روح اور خفی۔ لطیفۂ قالبیہ دیگر لطائف کے تدریجی صعود کا نقطۂ آغاز قرار پاتا ہے اور اس سفر کی

آخری منزل لطیفۂ حقیہ ہے اور یہی منزل انسان کی تکمیلِ روحانی کا آخری نقطہ بھی ہے۔
حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی ابتدائی تحریروں میں پانچ لطائف کا بیان ہے جبکہ بعد کی تحریروں میں سات لطائف کا ذکر ملتا ہے چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ سمنانی رحمۃ اللہ کے سبعہ لطائف کا تصوّر صوفیائے متقدمین کے لطائف خمسہ کے تصور پر استوار ہے۔

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک لطیفۂ قالبیہ اور دوسرے لطائف کا فرق محض درجے کے اعتبار سے ہے۔ لطیفۂ قالبیہ وہ بنیاد ہے جس کے اوپر دیگر لطائف کی درجہ بندی ہوتی ہے۔ لطیفۂ قالبیہ وہ اکتسابی جسم ہے جو عالمِ روحانی میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور عالمِ جسمانی کے جسمِ مادی کی مانند ہوتا ہے۔ اور اسی جسمِ اکتسابی کے اندر ہی دیگر لطائف میں درجہ وار صعود کا عمل ہوتا ہے۔

ساتواں اور آخری لطیفہ لطیفۂ حقیہ ہے جس کے متعلق سمنانی رحمۃ اللہ 'صدائف اللطائف' میں فرماتے ہیں۔

"لطیفۂ حقیہ نام ہے اس قابلیت کا جو عناصرِ اربعہ کے امتزاج سے حاصل ہوتا ہے اور ان احکام کا جو اجسام کے اندر اشیاء میں موجود حقائق کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اس کا ادراک نورِ عقل اور الہام کے توافق سے اس وقت ہوتا ہے جب وہ صفاتِ احدیّت کے غلبے سے مشرف ہوں اور عارضی موجودات اور ان کے متعلقات سے صفاتِ الٰہیہ کی تجلیات کے قبول پر آمادہ ہو جائیں۔ متعلقات سے مراد وہ اولیں چیزیں ہیں جن کا قلمِ قدسی حق نے نورِ الہام سے ادراکِ عقل کے حرف 'ع' سے، حرف 'ن' کے دواتِ روحانی سے اور مدادِ نور سے کیا اور اس طرف قرآن اور سنت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۝ (۱:۶۸)"

ساتواں لطیفہ یعنی لطیفہ حقیہ سالک کے روحانی ارتقاء کی آخری منزل ہے۔ یہ تجلیات کا ایسا مجموعہ ہے جو ذاتِ الٰہی سے قریب ترین ہے۔ اس لطیفہ میں سماوی و ارضی خصوصیات کا ایسا امتزاج ہے جو اسے دیگر تمام لطائف سے ممتاز بناتی ہیں۔ راہِ سلوک کی منزلِ آخر ہونے کے لحاظ سے اس کا مقام غیب الغیوب ہے۔ دیگر لطائف سے برتر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ان تمام کی خصوصیات کا حامل بھی ہوتا ہے۔ پس لطیفۂ حقیہ کا غیر مرئی عالم جو غیب الغیوب ہے، روح، سر، خفی، قلب، نفس اور جسم کے غیر مرئی لطائف کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

لطیفہ حقیہ کی عالمِ روحانی کی منزلِ آخر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عالمِ خلق اور عالمِ الوہیت کی سرحد پر واقع ہے اور اس لطیفہ اور ذاتِ باری کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں۔ جہاں دیگر لطائف ذاتِ الٰہی سے دور افتادہ ہونے کے باعث درمیانی واسطوں کے محتاج ہیں، لطیفہ حقیہ محض ذاتِ الٰہی سے واسطہ رکھتا ہے۔ اسی طرح جہاں دیگر لطائف کو ثانوی اسباب سے بچاؤ کے لیے ذاتِ الٰہی کی پناہ درکار ہوتی ہے وہاں لطیفہ حقیہ محض خدا سے خدا کی پناہ کا طلب گار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے مالک میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

لطیفۂ حقیہ اور ذاتِ حق کے درمیان جو سرحد حائل ہے اسے افق المبین کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ خود افق المبین الحق ہے جسے عبور کرنا کسی انسان یا مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے دیگر تمام لطائف کو بھی ایک ایک مخصوص سرحد آپس میں جدا کرتی ہے۔ چنانچہ جمادات اور نباتات کے درمیان، نباتات اور حیوانات کے درمیان اور نباتات اور نوع انسانی کے درمیان ایک ایک سرحد حائل ہے۔

اسی طرح وجودِ انسانی میں بھی لطائف کے درمیان اسی طرح سرحدیں یا آفاق موجود ہیں جس طرح ایک پیغمبر اور دوسرے پیغمبر کی شریعت کے درمیان ایک سرحد ہوتی ہے۔ پس

ہر پیغمبر یا لطیفہ کے لیے دو افق موجود ہیں جن میں سے ایک اسے پچھلے مرحلے سے اور دوسرا اگلے مرحلے سے جدا کرتا ہے۔ حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ ﷺ سے متعلق لطیفۂ حقیہ کے اوپر جو سرحد موجود ہے وہ افق المبین ہے جو اس لطیفہ کو ذاتِ حق سے جدا کرتا ہے۔ اس لطیفہ کی پچھلی سرحد یا افق کو افق الاعلیٰ کہتے ہیں جو عالمِ خلق کی طرف ہے اور دیگر تمام لطائف کی آخری سرحد ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ ان سرحدوں یا آفاق کو قرآنی علامتوں کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ افق الاعلیٰ وہ سرحد ہے جو لطیفۂ حقیہ کو لطیفۂ خفیہ سے جدا کرتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کھڑے تھے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے۔ وہ سرحد جو لطیفۂ خفیہ کو لطیفۂ روحیہ سے جدا کرتی ہے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے اور وہ سرحد جو لطیفۂ روحیہ کو لطیفہ سریہ سے جدا کرتی ہے اس کا نام جنت الماویٰ ہے۔ یہ وہ جنت ہے جو وجودِ انسانی کے اندر ہے اور وہ انسان اس جنت میں ہمیشہ رہتا ہے جو اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کرے اور اس میں اعمالِ صالحہ کا بیج بوئے ۔لیکن اگر کوئی شخص اس کو تاراج کرے اور اس میں افعالِ قبیحہ کا بیج بوئے تو یہی جنت جہنم میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ جہنم بھی وجودِ انسانی ہی کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کا ایک سدرۃ المنتہیٰ ہے اور یہ روحانی عروج کی وہ سرحد ہے جہاں تک صاحبِ علمِ مخلوق عقل کی رسائی ہوتی ہے۔ یہ سرحد جو عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت کا درمیانی افق بھی ہے، اللہ تعالیٰ کے علم، اللہ تعالیٰ کے واسطے اور سہارے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ جذبے کے بغیر پار نہیں کی جا سکتی۔

لطیفۂ حقیہ کی فضیلت:

لطیفۂ حقیہ جملہ لطائف سے آگے کا مرحلہ ہی نہیں بلکہ سب سے برتر اور ذاتِ حق کے قریب ترین بھی ہے۔ اس کا یہ بھی امتیاز ہے کہ یہ عالمِ لاہوت کے عین نیچے عالمِ جبروت

میں سدرۃ المنتہیٰ سے پرے واقع ہے جس کو عبور کرنا اللہ تعالیٰ کی وساطت اور خاص سفارش کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ چونکہ یہ راہِ سلوک کی آخری منزل ہے لطیفۂ حقیقہ اولین لطیفہ بھی ہے جو دیگر لطائف کے ظہور سے قبل ذاتِ حق کے قریب موجود تھا۔ چنانچہ یہ لطیفہ نقشِ اولین ہے اور اس کی مثال حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سی ہے جنہیں صوفیائے متقدمین نے اولِ خلق قرار دیا ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ لطیفۂ حقیہ قربِ ذاتِ الٰہی میں موجود تھا پھر اس نے افق المبین سے افق الاعلیٰ کی طرف نزول کیا اس طرح یہ دونوں افق ایک دوسرے کے قریب آ گئے جسے قرآن مجید نے قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى سے تعبیر فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لطیفۂ حقیہ کو جملہ مخلوقات میں ودیعت فرمایا لیکن پردوں اور حجابات میں مستور ہونے کے باعث یہ ظاہر نہ ہو سکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوقات کی اس حد تک پرورش فرمائی کہ خلقتِ خداوندی اس احسن التقویم کی منزل کو پہنچی جو قلب روحانی کا دوسرا نام ہے۔ پس اس قلب کے لطیفۂ قلبیہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے لطیفۂ حقیہ کے بیج کی پرورش فرمائی یہاں تک کہ یہ حضورِ حق میں پہنچ گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس لطیفۂ حقیہ کو حکم فرمایا کہ عوالمِ زیریں کی طرف راجع ہو تاکہ خلقِ خدا کے لیے بشیر ونذیر بن جائے۔ یہی سبب ہے کہ لطیفۂ حقیہ خاتم اللطائف اور مقصدِ تخلیقِ کائنات ہے۔

لطیفۂ محمدیہ ﷺ کی یہ فضیلت اس امر کی متقاضی ہے کہ لطیفۂ ابراہیمیہ علیہ السلام کو بھی انبیائے متاخرین کا سرسلسلہ سمجھنے کی بجائے سردار سمجھا جائے۔ لطیفۂ قلبیہ لطیفۂ حقیہ محمدی ﷺ کا مقام بننے والا اولین ظرف ہی نہیں بلکہ بہترین ظرف بھی ہے۔ اس بیان سے حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے اس دعویٰ کی معنویت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ لطیفۂ ابراہیمیہ علیہ السلام وہ صدف ہے جس کے اندر لطیفۂ حقیہ محمدیہ ﷺ کی پرورش ہوئی۔ کیونکہ صدف نہ صرف واحد ظرف ہے جس کے اندر ایک ذرۂ ریگ متمکن ہوتا ہے بلکہ یہ وہ واحد ظرف بھی

ہے جس کے اندر یہ ذرۂ ریگ صحیح معنوں میں نشوونما پا کر گوہرِ آبدار بن جاتا ہے۔ مقدمہ تفسیر القرآن میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''اور وہ سب کچھ جو خدا نے اپنے محبوب سے فرمایا ہے اور وہ آیات جن کا مخاطب حضور ﷺ ہیں ان کو ظہورِ جسمانی کو تفویض ہونے والے اسی لطیفۂ حقیہ کے ذریعے سنو۔ یہ وہ تجلی ہے جس کا ظہور تمام لطائف میں جملہ حقائق کی باہمی آمیزش سے ایک بہترین خلقت میں لانے کے بعد مقامِ ذاتِ خداوندی کی بجائے نہایتِ حضرتِ نقطۂ واحدیہ سے ہوتا ہے۔ یہ جملہ مرکبات کا آخری درجہ اور خاتم المموالید ہے جس سے وہ جسمِ اکتسابی پیدا ہوتا ہے جو مخلوق فانی جسم کے رحم میں جنین کی طرح ہے اور جو قلبِ حقیقی کے رحم میں جنین کی طرح ہے جس سے کافر الگ کر دیا جاتا ہے۔ یہ لطیفۂ عینیہ کے گوہر کا صدف ہے جو عالمِ انسانیت کے سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔......''

لطیفۂ حقیہ کو حضورِ خداوندی سے جسمِ روحانی کے مخلوق عالم میں اہلِ سلوک اور ان کے لطائف کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اس لطیفۂ حقیہ کا ظہور مقامِ احدیت سے ہوتا ہے اور مقامِ احدیت اور نقطۂ احدیہ من حیث المجموع جملہ لطائف کا بلند ترین ماخذ ہیں۔ چنانچہ درجہ بدرجہ جملہ لطائف سے ارتقاء پانے کے بعد سالک بالآخر لطیفۂ حقیہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ جملہ عناصر علوی وسفلی کو اپنے اندر سمونے کے بعد وجودِ انسانی اس قابل ہو جاتا ہے کہ الواحِ الوہیت کے رخ پر سے نقابِ غبار کو ہٹائے۔ یہ غبار دور ہونے کے بعد ان الواح پر مشتمل اشکال واضح ہو جاتے ہیں اور ان کے معانی واشگاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (۵۵:۳۔۴) اسی طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قرآنِ مجید کے وہ اسرار و رموز جو

لوحِ محفوظ میں موجود تھے، منکشف ہوئے، جس کی بنا پر آپ ﷺ معانی قرآن کا ادراک کلی رکھتے تھے۔

چونکہ قرآنِ مجید کے حقیقی معانی کا ادراک لطیفۂ حقیہ محمدیہ ﷺ کو ہوتا ہے اس لیے سالک کو چاہیے کہ وہ تمام آیاتِ قرآنی جو حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک حوالے سے ہیں، ان کو لطیفۂ حقیہ کی وساطت سے سمجھے۔ لطیفۂ حقیہ میں کمال کے بعد سالک لطیفۂ انائیہ تک رسائی پاتا ہے جو لطیفۂ حقیہ کے صدف میں ایک گوہرِ نایاب کی طرح پرورش پاتا ہے بلکہ ایسے جیسے خود لطیفۂ حقیہ لطیفۂ قلبیہ کے صدف میں پرورش پاتا ہے۔

لطیفۂ انائیہ:

لطیفۂ انائیہ راہِ سلوک وتصوف کے تمام سفر کی آخری منزل اور نقطۂ کمال ہے۔ عالمِ ناسوت کے ہر شئے میں عالم ملکوت کا ایک دقیقہ موجود ہوتا ہے جو حکمِ الٰہی کا لطیفہ ہے اور بعض اوقات اسے ''حیات'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عالم ملکوت کے ہر دقیقے کے اندر عالمِ جبروت سے صفاتِ الٰہی کا ایک رقیقہ موجود ہوتا ہے جو ''حیات الحیات'' ہے۔ ان نادر لطائف میں سے ہر ایک عالمِ لاہوت کی صفاتِ ذاتی کے حقائق اور صداقتوں کا حامل ہوتا ہے، جسے ''حیات الحیات کا باطن'' کہا گیا ہے۔ جس طرح کوئی فرد نفسِ عقلی کی تجلیات احکامِ الٰہی کے لطائف کی وساطت سے اپنے اندر جذب کرتا ہے اور جو جملہ خلائق میں موجود ہوتا ہے، اسی طرح سالک عالمِ لاہوت کے حقائق اپنے وجود کے اندر جذب کرتا ہے۔ لطیفۂ انائیہ عالمِ لاہوت کے انہی عناصر کے انجذاب کا نتیجہ ہے جو بذاتِ خود عالمِ جبروت کے رقائق کی حیات ہیں۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے لطیفۂ انائیہ کی پرورش لطیفۂ حقیہ کے صدف کے اندر ہوتی

ہے۔ یہ عمل جسمِ اکتسابی کے اندر وقوع پذیر ہوتا ہے جو لطیفۂ انائیہ کے لیے ایک خول یا ظرف کی حیثیت رکھتا ہے۔ لطیفۂ انائیہ کا جسمِ اکتسابی کے ساتھ یہ تعلق ایسا ہے جیسا جسمِ اکتسابی کا مخلوق جسمِ فانی کے ساتھ ہے کیونکہ مادی جسم عالمِ محسوسات کے بطن میں جسمِ اکتسابی کے جنین کے لیے رَحم کا کام کرتا ہے۔ جس طرح جسمِ مادی ایک خول یا ظرف کی طرح ہے جس سے جسمِ اکتسابی موت کے وقت آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک روحانی یا باطنی موت کے نتیجے میں جسمِ اکتسابی سے لطیفۂ انائیہ اس وقت آزاد ہو جاتا ہے جب وہ تکمیل کے جملہ مراحل سے گزر کر لطیف اور منور ہو جاتا ہے۔ جسمِ اکتسابی کے اس خول سے نکلنے کے بعد لطیفۂ انائیہ بذاتِ خود ایک آئینہ بن جاتا ہے جس میں ذاتِ الٰہی کے انعکاس کی قابلیت ہوتی ہے۔[۶]

سمنانی رحمۃ اللہ اس حقیقت پر بہت زور دیتے ہیں کہ لطیفۂ انائیہ ہی وہ حقیقت ہے جس میں اسمائے الٰہی کے علم و عرفان کی مقدس امانت کو اٹھانے کی قابلیت اور وجہ اللہ کے بالمقابل ہونے کی قابلیت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نہ عالمِ علوی کی کسی برتر شے میں اور نہ عالمِ سفلی کی کسی کمتر شے میں اس مقدس امانت کا حامل بننے کی صلاحیت ہے۔ تمام عناصر فانی ہیں اور تمام مرکب موجودات بے ثبات ہیں۔ صرف وہ حقیقت جس کے اندر عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کے عناصر کا امتزاج ہو اس قابل ہو سکتی ہے اور یہ شے یا حقیقت انسانِ ناطق ہے۔ لطیفۂ انائیہ ابدی طور پر وجودِ انسانی کے اندر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ لطفی و قہری اور حسن اور عظمت کا آئینہ ہے۔ یہ لطیفہ جملہ موجودات میں ہوتا ہے لیکن صرف مکمل صورت میں صرف ایسی ترکیب کے اندر ہوتا ہے جو مرئی و غیر مرئی دونوں جہات کے عناصر علویہ وصفلیہ کا امتزاج رکھے۔ یہ وجودِ مرکب ولی کامل ہوتا ہے جو لطیفۂ حقیہ کے مرتبے پر پہنچا ہو اور جس نے اپنے لطیف اور منور جسمِ اکتسابی کا ادراک حاصل کر لیا ہو۔

جب لطیفۂ انائیہ مکمل صورت میں وجہ اللہ کے بالمقابل مقام پاتا ہے تو وہ ایک غیر

متحرک اور انفعالی حقیقت ہوتی ہے۔ اس مرحلہ پر یہ خود اللہ کی ذات ہوتی ہے جو اس آئینہ میں اپنا جلوہ دیکھ کر خود اپنی تعریف و تقدیس کرتی ہے۔ ساتھ ہی اس آئینہ میں موجود جلوۂ الٰہی اللہ تعالیٰ کی تعریف و تقدیس کرتا ہے اور ذاتِ الٰہی کی شہادت دیتا ہے۔ یہاں شاہد محمود ہوتا ہے اور مشہود حامد اور وہی شاہد ہوتا ہے اور وہی مشہود اور وہی ذاکر ہوتا ہے اور وہی مذکور۔

لطیفۂ انائیہ کا آئینہ طویل مدت تک وجہ اللہ کا انفعالی طور پر جلوہ دکھانے کی قابلیت سے محروم رہتا ہے۔ پھر یہ جلوۂ حسنِ الٰہی کے انعکاس کے ذوق سے متحرک ہو جاتا ہے۔ یوں یہ فعّال ہو کر خود ایک مشاہدہ بن جاتا ہے اور یوں ذاتِ خداوندی اس کے لیے مشہود بن جاتی ہے۔ اس مرحلے پر اللہ تعالیٰ لطیفۂ انائیہ کے اوپر اپنی تجلّی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

> "(ترجمہ:) بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اوّل ہوں اور آخر ہوں، میں ظاہر ہوں اور باطن ہوں اور ہر شے پر محیط ہوں۔ ہر ذی روح کی حیات مجھ سے ہے اور ہر ایک کا میں ہی رازق ہوں اور میرے چہرے کے علاوہ ہر شے فانی ہے۔" پھر جس کسی نے لطیفۂ انائیہ تک رسائی پائی اور اس کا مشاہدہ کیا اس نے اس راز کا بھی مشاہدہ کیا اور جس نے اس راز کا مشاہدہ کیا اس نے اس کو دیکھا اور جس نے اسے دیکھا اس نے اللہ جل شانہٗ کی پاک ذات کا ادراک کیا۔"

یہ حقیقت واضح نہیں کہ مذکورہ بالا اعلان اللہ تعالیٰ کی ذات خود فرماتی ہے یا یہ اعلان لطیفۂ انائیہ میں ہوتا ہے۔ دراصل اس مرحلے پر ذاتِ الٰہی کو جو لطیفۂ انائیہ کے آئینے میں اپنے مشاہدۂ جمال میں محو ہوتی ہے اس آئینے سے جدا پہچاننا ناممکن ہوتا ہے جس میں یہ مشاہدہ وقوع پذیر ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ دو تیز انوار ہیں جو ایک دوسرے کے نور کا انعکاس کر رہے ہوتے ہیں۔ آئینہ یعنی لطیفۂ انائیہ حسنِ ذات کا مشاہدہ اور انعکاس کرتا ہے اور ذاتِ

الٰہی اپنے حسنِ ذاتی کے مکمل عکس کا جو اس حسن سے ہو بہو مشابہت رکھتا ہے مشاہدہ کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اس آئینے میں اپنے اس عکس کا مشاہدہ فرماتے ہیں جس کا مشاہدہ آئینہ یا لطیفۂ انائیہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کرتا ہے۔

اس لمحہ میں جب لطیفۂ انائیہ ایک غیر متحرک آئینے سے فعّال شاہد کی حیثیت اختیار کرتا ہے اس لطیفہ کا مالک حریمِ ذات میں داخلے کا مجاز بن جاتا ہے اور جملہ اشیاء کی حقیقت اس پر عیاں ہو جاتی ہے۔

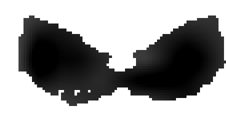
حریمِ ذات میں داخلے کے اس لمحے میں عالمِ ناسوت کے ہزار گنا حقائق عالمِ ملکوت کے سو گنا حقائق میں اور یہ عالمِ جبروت کے دس گنا حقائق میں اور یہ عالمِ لاہوت کے حقائقِ واحدہ میں مشاہدہ ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام مشاہدہ ایک اکائی کے طور پر ہوتا ہے جو ذاتِ واحد کی تجلی کا اثر ہے اور جو اسی ذات کے ہر مشہود کا مشاہدہ اور ہر معلوم کا تجربہ ہے۔

حریمِ ذات میں بار پانے اور ذاتِ الٰہی کا شاہدِ فعّال بننے کے بعد لطیفۂ خفیہ لسانِ صدق سے ذاتِ الٰہی کی تعریف و تقدیس شروع کرتا ہے اور اس مرحلہ پر حمد کی اصل صورت یوں ہوتی ہے۔

(ترجمہ:) ''تعریف اللہ کے لیے جو واحد ہے، بے مثل ہے، یکتا ہے، ہمیشہ رہنے والا ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ کوئی اس جیسا ہے۔ تعریف اس کے لیے، جس کی شان بہت بڑی ہے۔''

تاہم اگر جسم یا نفسِ سفلی کی کوئی لطیف قوت اس لطیفہ میں باقی رہ جائے تو وہ سبحان ما اعظم شانی یا انا الحق کہتا ہے۔ اور جب اس غلبۂ حال سے باہر آ جائے تو وہ پکار اٹھتا ہے۔

(ترجمہ:) ''مجھے قتل کر دو اے محرمو! کیوں کہ میری موت ہی میری زندگی ہے۔'' ☆



باب ششم

راہِ سلوک

گزشتہ دو ابواب میں فکرِ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بعض وجودیاتی حقائق پر بحث کی گئی ہے۔ وجود کی اس درجہ بندی سے سالک عروجِ روحانی کی اس معراج کو پا سکتا ہے جو لطیفۂ انائیہ ہے اور جو جمالِ ذات کا شاہد ہے۔ وجود کا یہ نظامِ مراتب جس کا آخری نقطہ لطیفۂ انائیہ ہے، کشف والہام سے وابستہ نہیں بلکہ اس کی نوعیت ابتدا میں فکری اور آخر میں تجرباتی ہوتی ہے۔ اس منزل تک رسائی مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو ہی ایسی مخلوق بنایا ہے جو ذاتِ الٰہی کے شعور سے متصف ہونے کی اہل ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کو اس روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور اولادِ آدم علیہ السلام کو بھی خلافت و نیابتِ الٰہی سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اس لیے خلق فرمایا کہ انسانِ کامل وجود میں آئے۔ چونکہ تخلیقِ کائنات افعالِ الٰہی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والے آثار کا نتیجہ ہے اس لیے اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فاعلیہ کے شواہد موجود ہیں۔ ان صفات کا علم آدمی کے وجود کو ایسا آئینہ بنا دیتا ہے جس میں علمِ صفاتِ الٰہیہ کا انعکاس ہوتا ہے۔ صدائف الطائف میں سمنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

> ''اللہ تعالیٰ نے تجھے اس عالم کا برتر اور تیرے وجود کا کمتر باغ اس لیے عطا فرمایا ہے کہ تو ان دونوں میں زراعت کرے۔ لیکن جان لے کہ تیرا رزق اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے ہے ان باغوں سے نہیں۔ اور اگر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل نہ ہو اور ان دونوں باغوں کی زراعت میں مشغول رہے اور

خود کو اس کا خادم اور غلام سمجھے اور جانے کہ ان میں سے ہر مرحلہ میں تجھے ہی کام کرنا ہے اور تیرے رب سے تجھ سے یہ تقاضا ہے کہ تو اس کی خدمت میں ندامت اور توبہ سے کام لے تو تیرا شمار بھی ان لوگوں میں ہوگا جو قربِ ذات سے مشرف ہوئے ہیں اور یہ دنیا تیرے لیے ایک مبارک اور محمود مقام بن جائے گی۔"

اور ایسا اللہ تعالیٰ کے فیض و کرم سے ہی ممکن ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں سمنانی فرماتے ہیں۔

"وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o (الحدید ۲۱)" "اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔"

کیونکہ وہ ہمیں عدم سے وجود میں لے آیا اور ہمیں ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ اس نے ہمیں لطائف عطا فرمائے اور راہ ہدایت کی نشاندہی فرمائی اور اس راہ پر چلنے کی توفیق اور طاقت عطا فرمائی۔ پھر اس نے اپنی قدرت سے ہمارے اعمال کی جزا عطا فرمائی۔ اسی کی ہدایت سے ہم حق و باطل میں تفریق کے قابل ہوئے۔ اس نے ہمیں اپنی اوقات سے بڑھ کر اپنے نورِ وجود سے حصہ دیا تا کہ ہم اسی نور کی عالمِ خلق میں سفر کر سکیں۔ اور یہ سب محض اس کا بے پایاں فیض و کرم ہی ہے۔"

وجودِ انسانی اس عالم میں تکمیل و عروج کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے لیکن اس عروج کا حصول صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنے فانی وجود سے نورِ عرفان کے ذریعے کبر و نخوت کو ختم کرے۔ اس سلسلے میں انسان اولاً اس کبر اور عجب کی ماہیت اور مبداء سے آگاہ ہو جاتا ہے اور پھر اپنے وجود کے چہرے سے اس کبر و عجب کے پردے کو اتار پھینکتا ہے۔

وجودِ انسانی کے اندر تکمیل و ترقی کی جو صلاحیت موجود ہے سمنانی رحمۃ اللہ اسے ایک

مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں۔ اگر ایک بیج کو زمین میں بو دیا جائے تو اس سے ایک درخت اگتا ہے جس سے دس ہزار بیج حاصل ہوتے ہیں۔ اب اگر ان دس ہزار بیجوں کو پھر بو دیا جائے تو دس ہزار درخت اگیں گے۔ ان میں سے ہر درخت سے دس ہزار مزید بیج پیدا ہوں گے لیکن بعد میں آنے والے ہر بیج اور درخت میں اس پہلے بیج کی خصوصیات موجود ہوں گی۔ اسی طرح قابلات فیوضِ نفسِ کلی کے جواہر جو حضرت آدم علیہ السلام کے وجودِ مبارک میں موجود تھے وہ آپ کی جملہ اولاد میں بھی در آئے ہیں۔ اسی طرح قلب باطنی کو تہ در تہ ملفوف کیا گیا ہے اور ہر تہ میں عقلِ الٰہی کا ایک حصہ موجود ہے۔ اس حقیقت کے باوجود بہت سے لوگ روحانی عروج کی ممکنہ منزلوں تک اس لیے رسائی نہیں پاتے کہ وہ اپنی فطرت کی درست نشوونما سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صراطِ مستقیم پر کاربند ہونے کے معاملے میں بعض انسان دوسروں سے بلندتر مقام کے حامل ٹھہرتے ہیں۔"

وجودِ انسانی کے اندر قوہ امارہ کافرہ اور قوہ لوامہ مؤمنہ یعنی بدی اور نیکی کی قوتیں جمع ہیں۔ انسان کا نفس اس صورت میں سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے جب وہ ان لطائف کی مدد سے جو پیغمبروں کی صورت اس دنیا میں آئے ہیں اپنی تطہیر کرے اور ان سفلی اور ظلمانی خصوصیات کو خود سے دور کرے جو پانی کے خواص ہیں اور گمراہی کی خصوصیت سے نجات پائے جو ہوا کا خاصہ ہے اور ان تباہ کن رجحانات سے گلوخلاصی حاصل کرے جو آگ کی پیدا کردہ ہیں اور اسی طرح عناصرِ خبیثہ کی غلاظت سے خود کو پاک کرے اور اپنے باطن کو بھی عالمِ سفلی کی محبت کی کثافت سے پاک کرے۔ جو نفس اس تطہیر میں ناکام رہ جائے عذابِ دائمی اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکمیلِ ذات کے لیے لذائذِ دنیوی کو ترک کرنا ضروری ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے حقیقت اور بے وقعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ وَّ زِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ط وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ لا وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ o

یہ دنیا دائمی نہیں بلکہ عارضی اور فانی ہے اور بجائے خود اس کا وجود بے حقیقت ہے اور اہلِ باطن اسے ایسا ہی جانتے ہیں۔ اس کے برعکس اخروی زندگی حقیقی زندگی ہے کیونکہ اس میں نہ تو کوئی ماضی ہے اور نہ مستقبل بلکہ یہ ابدی اور غیر تغیر پذیر ہے۔

اخروی زندگی میں انسانوں کو اس دنیوی زندگی کے اعمال کے لحاظ سے جزا اور سزا ملے گی۔ وہ شخص جو اپنے خواہشِ نفسانی کا غلام ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خلوص و محبت کے ساتھ غلامی کرے وہ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوگا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ان قوتوں اور اسباب و وسائل کے بغیر کامیابی حاصل کرسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ترقی اور عروج کے لیے عطا فرمائے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور ان قویٰ اور وسائل کا استعمال لذاتِ شہوانی کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں بھی اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کریں گے اور اگلے جہاں میں بھی انعام پائیں گے وہ دراصل غلطی پر ہیں، کیونکہ دونوں عالم ہی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ حیاتِ دنیوی میں ان کا اندوختہ کفر و عصیاں کی آگ ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دیں گے۔ اسی طرح ان سب لوگوں کا اس دنیا میں حقیقی روحانی مقام پانا ضروری نہیں جو متقی اور راست باز ہیں کیونکہ وہ اہل و عیال کی ذمہ داریوں کی وجہ سے علائق دنیوی سے کنارہ کش نہیں ہوسکتے۔

روحانی ترقی کے اعتبار سے سمنانی رحمۃ اللہ علیہ انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا گروہ عام اہلِ ایمان کا ہے۔ دوسرا گروہ ان کے روحانی مرشدین یعنی صوفیہ کا ہے

جو علائقِ دنیا سے کنارہ کشی کر کے ترکِ دنیا کی روش اپناتے ہیں۔ جبکہ تیسرا گروہ متصوفہ کا ہے جو تجرید سے گزر کر تفریدِ باطنی کے حامل بن جاتے ہیں۔ متصوفہ کی تعداد اس دنیا میں ۳۴۷ ہے۔ ان میں سے تین سو ابطال ہیں اور جو حقیقی صوفیہ میں سے مبتدیوں کا گروہ ہے۔ چالیس ابدال ہیں جو درمیانے مقام پر فائز ہے۔ سات سیاحون ہیں جو حقیقی صوفیہ کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہ قربِ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے ہیں اور پیغمبروں کے جانشین ہونے کے اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کے نائب اور اس کی طرف رہبری کرنے والے ہیں۔ یہ مقامِ ولایت ہے کیونکہ بابِ نبوت کے بند ہونے کے بعد ولایت کا دروازہ کھلا۔ چنانچہ وہ علمائے اہلِ اسلام جو درجۂ ولایت پر فائز ہیں وہی انبیائے متقدمین کی طرح انسانوں کو نورِ ہدایت دینے والے ہیں۔

یہ اولیاء اور سالکین تکوینی اہمیت کے حامل ہیں اور کائنات کے تخلیقی عمل کا جزوِ لاینفک ہیں۔ لفظ کُــــن، کن کے کاف، ولایت کے واؤ اور نبوت کے نون سے بنا ہے۔ چنانچہ انہی اولیاء کی وساطت سے ہی تمام انسانوں کو رزق دیا جاتا ہے اور کامیابی عطا کی جاتی ہے۔ اگر ان کا وجود نہ ہو تو یہ دنیا نیست و نابود ہو جائے۔

سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک انبیاء کا مقام اولیاء سے بہت بلند ہے اور اولیاء کی تعداد انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر ہے۔ جہاں انبیاء عوالمِ مادی و روحانی میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے ہیں وہاں اولیاء اس عالمِ خلق کی بنیاد ہیں۔ اس حوالے سے ولی کا وہی کردار ہے جو قطب کا ہے اور جو ایسا ستون ہے جو تمام عوالمِ علوی و سفلی کو سہارا دیے ہوئے ہے اور اس کے بغیر یہ عوالم برقرار نہیں رہ سکتے۔ یہ علم نہیں ہو پاتا ہے کہ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک قطب اور ولی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں یا الگ الگ ہیں کیونکہ اگرچہ ان کا کام ایک سا ہے لیکن تعداد مختلف ہے۔ کیونکہ ولی تعداد میں سات ہیں اور قطب چار ہیں۔ بہرحال ان کا رتبہ وہ اعلیٰ ترین رتبہ ہے جس پر کوئی انسان فائز ہو سکتا ہے۔

سلوک کی اسلامی بنیاد:

باطنی شعور کا اعلیٰ ترین مرتبہ معرفت ہے۔ یہ معقول حیات بخش شعور کا ایسا درجہ ہے جو بلحاظ تعداد و مقدار گزشتہ تمام روحانی درجوں سے مختلف ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی روحانی مشق و ریاضت میں مشغول ہو جائے جس کی ابتدا ارکانِ اسلام کے حقیقی دینی اور عقلی شعور اور پہچان سے ہو کیونکہ اسی بنیاد پر تصوف کی عمارت استوار ہے۔ یعنی سالک اللہ تعالیٰ کی فطرت اور حصولِ علم کے لیے کشف و الہام اور ہدایت کے دیگر ذریعوں کی حقیقی پہچان کے قابل ہو جائے۔ اس کے بعد شریعتِ مطہرہ کے جملہ ظاہری اور باطنی طریقوں کی مکمل پاسداری ضروری ہے جو سالک کے راہِ سلوک پر گامزن ہونے کے لیے ناگزیر ہیں۔

سالک کے لیے پہلی شرط فطرتِ الٰہی کی معرفت حاصل کرنا ہے جیسا کہ گزشتہ باب میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود جانے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، پھر اس کی وحدانیت کی تفہیم حاصل کرے اور اس کے تمام عیوب، نقائص اور امکانِ خطا و نسیاں سے مبرا اور منزہ ہونے کا یقین پیدا کرے اور یہ ایمان رکھے کہ وہی ہر شے کا خالق اور عالم کا مالک ہے۔ اس کے بعد سالک کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات فاعلیہ کا اور ان سے ظہور پذیر ہونے والے افعالِ الٰہی کا شعور حاصل کرے جن کی مثال تحریر کے عمل میں ظہور پذیر ہونے والے الفاظ کی طرح ہے۔ تخلیقِ کائنات انہی صفات اور افعال کا نتیجہ ہے۔ یہ تخلیقی عمل آبائے علوی اور امہاتِ سفلی کے ملاپ سے ہوتا ہے۔ سالک کو پھر اس حقیقت کا شعور ضروری ہے کہ انسان جملہ مخلوقات میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے اور خاتم الموالید اور مراۃِ الٰہی ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کا یہ درجہ حاملِ امانتِ الٰہی ہونے کا متقاضی ہے اور یہ امانت داری مخصوص ضابطوں پر عمل کا تقاضا کرتی ہے۔

جب سالک مذکورہ حقائق کا شعور حاصل کرے تو وہ حقیقی عارف بن جاتا ہے اور انبیاء کا ہمنشین بن جاتا ہے یعنی ایسا ولی جو حق کے متلاشیوں کو راہِ ہدایت پر چلانے کی صلاحیت کا حامل ہو۔

اس نظام کے مطابق اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات کی رُو سے پہچاننا ضروری ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں حاکیت واقتدار، تقدیس وتنزیہ، عظمت وکبریائی، اور عدل وانصاف شامل ہیں۔ لیکن اس کی حاکیت اور اقتدار کا حقیقی شعور اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک آدمی غیر اللہ کی جانب متوجہ رہے اور کسی کو اس کی حاکمیت اور اقتدار میں شریک جانے۔ جب آدمی میں یہ نقص موجود ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پر عمل سے قاصر رہے گا اور اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تقدیس وتنزیہ کا حقیقی ادراک اس یقین کے بغیر ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے قلب، حواس اور ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کا بھی خالق ہے اور ان تمام صورتوں کا بھی جن کے اندر اس کی صفات تمام مرئی اور غیر مرئی عالموں میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظمت وکبریائی سے آگاہ ہونے کا مطلب اس حقیقت کا شعور حاصل کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا مالک ہے۔ اس حیثیت میں وہ اس انسان کی فہمائش کرتا ہے جو بدن کی درستی اور قلب کی پاکیزگی حاصل کرنے اور مرأتِ وجود کو وجہ اللہ کے قابل بنانے سے قاصر رہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ اس فردِ بشر کو معاف فرمائیں گے جو اپنے بدن کو احکامِ شرعی کا مکلف بنائے اور قلب کو طریقت سے آراستہ کرے اور ہنگامِ عبادت اپنے آئینۂ قلب کو وجہ اللہ کے مقابل رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ سخت گیر ہے، قبول کرتا ہے، عطا کرتا ہے، منع کرتا ہے اور زندگی اور موت دیتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا

ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی رضا کے مطابق حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خالقِ حیات ہونے کا نتیجہ ہے کہ انسان اعلیٰ مراتب کے حصول کے قابل بن جاتا ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں سورۃ البقرہ کی اٹھائیسویں آیت کی تفسیریوں بیان ہوئی ہے۔

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ یعنی تم جاہل تھے اور اُس (اللہ) نے تمہیں علم کے ذریعے زندگی دی تھی اور تم اپنی ماؤں کے ارحام میں مردہ تھے، اس نے تمہیں نفسِ روح کے ذریعے زندگی دی اور تم قالب کے اندر مردہ تھے، اس نے تمہیں نورِ ایمان کے ذریعے زندگی دی اور تم برزخ میں مردہ تھے، اس نے تمہیں روزِ جزا کے ذریعے زندگی دی۔ تم جہالت کی موت میں مبتلا تھے اس نے تمہیں عقل و دانش کے ذریعے زندگی دی اور تم مردہ تھے اور وجہ اللہ کو دیکھنے کے اہل نہ تھے اور اس نے اپنے نورِ بصر سے تمہیں زندگی دی۔"

اللہ تعالیٰ نے عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کے امتزاج سے انسان کی تخلیق فرمائی۔ اس نے قوتِ قالبیہ کی تسکین کے لیے لذت و شہوت کے حواس خلق فرمائے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ انسان کو بلند مدارج تک لے جانا اور اس کی تکمیل کرنا چاہتا ہے اس لیے اس نے قرآن مجید کی روشن آیات اور منصبِ رسالت کے ذریعے اس کی رہنمائی کا سامان فرمایا۔ اس ہدایت کے ذریعے وہ انسانوں کو حجاباتِ بدنی کی ظلمت سے نورِ روحانیت میں لے جاتا ہے اور حجاباتِ روحانی کی ظلمت سے نکال کر نورِ الٰہی میں پہنچا دیتا ہے۔

حقیقتِ قرآن:

فکرِ سمنانی رحمۃ اللہ کی رُو سے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ابدی پیغام ہے اور جو اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے، جبکہ ایسا شخص جو قرآن مجید کی ظاہری مادی حیثیت یعنی کاغذ اور روشنائی وغیرہ کو بھی ابدی سمجھتا ہے جہالت کا شکار ہے۔ آپ کے نزدیک کلام

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ وجوبی میں سے ہے چنانچہ تفکر فی القرآن وجودِ انسانی کو ایسا آئینہ بناتا ہے جس میں صفاتِ وجوبی کا انعکاس ہوتا ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں سمنانی فرماتے ہیں۔

''اے قرآن کے باطنی معنی تلاش کرنے والے! تجھے پہلے قرآن کے 'ظاہری' اور لغوی معنی کو سمجھنا چاہیے اور اپنے وجودِ ظاہری کو اس کے اوامر ونواہی کا پابند بنانا چاہیے۔ دوسرے مرحلے پر تجھے اپنے تزکیۂ باطن میں مشغول ہونا چاہیے تاکہ خدائے رحمان کی ہدایت اور روح القدس کے الہام کے مطابق اس کے 'باطنی' معانی کی تجھے تفہیم حاصل ہو۔ تیسرے مرحلے پر تجھے اقلیم قلوب میں اس کے 'حد' کے عرفان کے لیے تفکر کرنا چاہیے۔ صرف اسی صورت میں تجھے کسی تفکر یا شمار اور حساب کے بغیر اس کے 'مطلع' کے مشاہدے سے سرفراز کیا جائے گا۔''

اس نظامِ فکر کے مطابق معانیِ قرآن کے چار درجے ہیں جو وجود کے چار مراتب سے مطابقت رکھتے ہیں۔ قرآن کی ظاہری جہت کا تعلق عالمِ ناسوت سے ہے۔ اس کی باطنی جہت کا تعلق عالمِ ملکوت سے ہے، حد کا تعلق عالمِ جبروت سے اور مطلع کا تعلق عالمِ لاہوت سے ہے۔ معانیِ قرآن کے ان چار درجوں پر یقین نہ رکھنا عقیدۂ اسلامی کے خلاف ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک عالمِ ناسوت میں قرآن کے ظاہری معنی کا منکر' کافر' وزندیق ہے۔ جو شخص عالمِ ملکوت میں قرآن کے باطنی معانی کا انکار کرے وہ سخت قسم کا 'مشبہی' ہے۔ جو شخص قرآن کے ظاہری معانی پر یقین رکھے وہ راست عقیدہ 'مسلم' ہے اور جو باطنی معانی کو بھی مانے وہ 'مؤمن' ہے۔ جب کہ وہ شخص جو عالمِ جبروت میں معانیِ قرآن کی 'حد' کو جانے وہ 'محسن' ہے۔ اور وہ شخص جو عالمِ لاہوت میں آیاتِ قرآنی کے مطلع سے واقف ہو 'شاہد' کہلاتا ہے جو شاہدِ خلق اور محرمِ راز ہے۔

چاروں درجوں میں معانی قرآن کی تفہیم بھی مختلف طور پر ہوتی ہے۔ معانی ظاہر کا 'مفسر' اپنی قوت سماعت پر انحصار کرتا ہے جس کی وساطت سے اس نے قرآن کو سنا اور سمجھا۔ 'محقق' یا صوفی قرآن کے باطنی معانی کے بیان کے لیے کشف والہام کا سہارا لیتا ہے۔ جبکہ 'مؤحد' معانی قرآن کی حد کا بیان محض اذنِ الٰہی سے کرتا ہے۔ تاہم مطلع اسرار ذات' کسی قسم کے بیان و تفسیر سے گریز کرتا ہے اور افتاں وخیزاں مطلع قرآن کی طرف بڑھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو متقین کے واسطے پڑھنے، یاد رکھنے، اور تنبیہ وہدایت کے لیے آسان بنایا ہے۔ ساتھ ہی اس نے ہر آیت کو ایسا خزانہ بنایا ہے جس میں عرفان کے لاتعداد موتی پوشیدہ ہیں اور ہر آیت کے معانی کو چھپانے کے لیے مثالوں سے کام لیا ہے۔ قرآن کے قاری کو ان مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے جو ان مثالوں میں پوشیدہ ہیں اور جاننا چاہیے کہ آیاتِ الٰہی کا مقصد تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے حصول کے لیے اپنے پیغمبر روئے زمین پر بھیجے۔ تفسیر نجم القرآن میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے تاکہ وہ انسان کے اندر 'سیاست' کے ذریعے اصلاح، 'طہارت' کے ذریعے تزکیہ، اور 'عبادت' کے ذریعے توجہ پیدا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، افعال اور آثار کا اس آئینے میں مشاہدہ کرے۔"

متقین پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے احکامات پر عمل پیرا ہوتے ہیں جبکہ فاسقین ان رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور خواہشات رذیلہ کی پیروی کرتے ہیں۔ سمنانی رحمۃ اللہ نے عوالمِ ظاہری و باطنی کے جس نظام کی نشاندہی کی ہے اس کی رُو سے یہ پیغمبر انسان کے باطن میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ وہ لطائف جو باطنی پیغمبروں کا سا کردار ادا کرتے ہیں تمام

قوائے علویہ اور سفلیہ میں موجود ہوتے ہیں اور خدا کے منتخب 'اولین' کہلاتے ہیں۔ یہ قویٰ جن کا تعلق قالب، نفس، قلب، سرّ، روح اور خفی سے ہے ان پر یقین رکھنے والے 'اصحاب الیمین' ہیں جو اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں اور جو ان کا انکار کرے وہ 'اصحاب الشمال' ہیں اور غضب الٰہی کے سزاوار ہیں۔

حقیقتِ نبوت:

سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبوتِ الہامی کی روایت سے وابستگی نہایت ضروری ہے اور صرف وہ مذہب قابلِ اعتنا ہے جس کی بنیاد نبوت اور وحی والہام پر ہو۔ آپ سمجھتے ہیں کہ قدیم یونان، عیسائیت اور بدھ مت کے راہب اور صوفی اس لیے اپنی منزل کو پانے میں ناکام رہتے تھے کہ وہ تخمین وظن سے کام لیتے تھے اور انبیاء کی رہنمائی سے محروم تھے۔

انبیاء کے سردار حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور لطیفۂ حقیہ آپ کی ذاتِ اقدس سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ مؤمنِ حقیقی نورِ لطیفۂ حقیہ محمدیہ ﷺ سے اسی طرح متصف ہو جاتا ہے جس طرح حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورِ الٰہی سے فیضیاب اور ممتاز ہوئے۔ ہر مؤمن کے اندر لطیفۂ محمدیہ ﷺ اور اس سے وابستہ ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ قوت اہلِ ایمان کے دیگر قوائے جسمانی وروحانی کے لیے بشیر ونذیر کا کام کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے والوں کے لیے اخروی زندگی میں انعام کی بشارت دیتی ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان کی زبردست اہمیت ہے۔ آپ ارکانِ اسلام کی اہمیت پر بھی بہت زور دیتے ہیں اور دیگر ادیان کے مقابلے میں اسلام کی فضیلت کا خصوصیت سے بیان کرتے ہیں۔ تفسیر نجم القرآن میں آیت (۸:۶۴) کی تفسیر یوں فرمائی ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا یعنی اے قوائے جسمانی و روحانی اس اللہ پر ایمان لاؤ جس نے تمہیں خلق کیا اور احسن التقویم سے سرفراز فرمایا۔ اور اس لطیفہ پر یقین رکھو جو تمہاری طرف بھیجا گیا اور اس نورِ الہام پر یقین رکھو جو ہم نے تم پر نازل کیا۔ خوشخبری ہے تمہارے لیے اے امتِ محمدیہ ﷺ! تم کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان رکھتے ہو اور یقیناً اصحاب الشمال میں سے نہیں ہو۔ اور جو کوئی بھی خلوص اور یقین کے ساتھ اس کلمہ پر یقین رکھے گا وہ اصحاب یمین میں سے ہے اور کامیابی اس کا مقدر ہے۔ شیطان کے لیے اسے صراطِ مستقیم سے ہٹانا ممکن نہیں ہے۔"

ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر، اس کے آخری نبی حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہوں وہ نہ قوائے علویہ کی طرف متوجہ ہوں اور نہ اپنی عقل وفکر سے حاصل ہونے والے علوم اور نہ اپنے ہوائے نفسانی کی طرف راغب ہوں، بلکہ انہیں سراسر لطیفۂ حقیہ محمدیہ ﷺ سے وابستہ ہونا چاہیے۔ یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ان کی نیتوں اور اعمال کی جزا پانے اور عذابِ اخروی سے نجات کا واحد راستہ ہے۔

اگرچہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ بارہا اس حقیقت کا بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا عذابِ دنیوی واخروی سے بچنے کے لیے ضروری ہے لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حقیقی مؤمن محض عذاب کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے عملِ خیر کرتا ہے۔ وہ اعمالِ خیر کی بجا آوری محض ان کی فرضیت کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ حقیقی لگن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

اگرچہ موت کے بعد تمام اہلِ ایمان کو معرفتِ خداوندی نصیب ہو گی اور غیر اہلِ ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ کا یقین آ جائے گا لیکن عظیم ترین نعمت انہی کے لیے مخصوص ہے جو

موت کے وقت پردہ اٹھ جانے سے پہلے احکامِ الٰہی پر ایمان لاتے ہیں۔ حیاتِ دنیوی میں معرفتِ خداوندی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ راہِ سلوک وتصوف پر گامزن ہونا ہے جسے سمنانی رحمۃ اللہ ایک درخت سے تعبیر فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

''تجاوز (گناہ) پر توبہ اس کی جڑ ہے، ترک اور تخلیہ اس کی چھال ہیں، توحید کا اقرار اس کا پھل ہے، صبر، صفا اور صدق اس کے پتے ہیں، ورد، وقار، ود (محبت) اور وفا اس کے پھول ہیں، فقر، فنا، فوز وفلاح اس کی شاخیں ہیں۔''

راہِ سلوک کا سفر سالک کے علم کی نوعیت اور دنیا کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر بدل کر رکھ دیتا ہے۔ فہم کی سب سے نچلی سطح 'ظن' ہے۔ فہم سے اوپر صحیح علم ہے جو تعلیم وتدریس کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ اس علم کے بعد 'علم الیقین' کا مرحلہ آتا ہے۔ اگلا مرحلہ 'عین الیقین' کا ہے اور یہ مشاہداتی علم کی طرح ہے۔ عین الیقین کے بعد 'حق الیقین' کا درجہ ہے جس پر اہلِ باطن ہی متمکن ہوتے ہیں۔ حق الیقین کا حامل صوفی 'عین حق الیقین' کی طرف پیش قدمی کرتا ہے جو تجرباتی علم کے مماثل ہے اور اصطلاح تصوف میں 'ذوق' کہلاتا ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ علم کی مختلف اقسام کو انار کے درخت کی مثال سے سمجھاتے ہیں۔ اگر ایک کسان کسی شخص کو سمجھائے گا کہ انار نام کا ایک درخت ہے جس پر انار کا پھل لگتا ہے، جس کے اندر موتی جیسے دانے ہیں اور یہ دانے ایک خوبصورت ترتیب سے ہیں اور ان کا ذائقہ شیریں ہے تو اس شخص نے جو کچھ سنا اور سمجھا اس کی بنیاد علمِ صحیح ہے۔ جب وہ شخص انار کے درخت کا سبز ہونا، پھر اس پر پھول لگنا دیکھتا ہے تو اسے علم الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جب پھول میں سے انار کے پھل نمودار ہوتے ہیں تو علم الیقین عین الیقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب پھل پک جاتا ہے اور وہ اسے درخت سے اتار کر اسے چیرتا ہے اور خود اپنی آنکھوں سے پھل کے اندر دانوں کی ترتیب کو دیکھ لیتا ہے تو عین الیقین حق الیقین میں بدل

جاتا ہے۔ آخر کار جب وہ انار کے دانوں کو چکھ لیتا ہے اور اس کا رس اس کے کام و دہن میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے اپنے وجودِ جسمانی میں جذب ہو کر اس کا حصہ بن جاتا ہے تو اسے عینِ حق الیقین کی منزل نصیب ہو جاتی ہے۔

خیال وظن اور درسی اور معلوماتی علم فہم و ادراک سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے لیے کسی روحانی ریاضت اور مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ دیگر علم کی دیگر اقسام کا تعلق یقین سے ہے اور راہِ سلوک پر ثابت قدمی اور ذکرِ الٰہی کے علاوہ یہ علوم کسی اور طریقے سے حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

مبتدی کے لیے شرائط:

راہِ سلوک پر عمل پیرا ہونے کے لیے شریعتِ مطہرہ کے جملہ احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہونا بنیادی شرط ہے۔ تاہم اس سلسلے میں بنیادی شرط نیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اعمال کی ظاہری صورت سے غرض نہیں ہے وہ تو دلوں اور ان میں موجود نیتوں سے سروکار رکھتا ہے۔ ان شرائط کے مطابق سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں، کتابوں، ملائکہ، اور آخرت اور معادیات سے متعلق حقائق مثلاً میدانِ حشر، صراط، میزان، حساب اور لقاءِ خداوندی پر ایمان رکھے۔ اس کے بعد وہ ارکانِ اسلام پر سختی سے عمل پیرا ہو اور یقین رکھے کہ ہر ظاہری رکن کا ایک باطن بھی ہے۔ یہ باطنی ارکان نیت، حضور، خلوص، صدق اور صبر ہیں۔ باطنی عبادات کی اہمیت ظاہری عبادات سے بڑھ کر ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

> "باطنی عمل کی جزا ظاہری عمل سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے (سالک کو) چاہیے کہ جسمانی عبادت کی ریاضت سے فراغت پانے کے بعد باطنی ریاضت کرے جو خلوصِ عمل، سچی نیت، اور دل سے فاسد خیالات کو دُور کرنا ہے۔"

حقیقی نماز کا تقاضا یہ ہے کہ اعضاء و جوارح کو غیر اللہ کی طرف التفات سے روکا

جائے۔ نفس کو امانتِ الٰہی کی امانتداری پر ثابت قدم رکھا جائے، دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد کے ذریعے پاک و مطہر بنایا جائے، اور اسی طرح سرّ کی تطہیر کا بھی اہتمام کیا جائے، اور نیابتِ الٰہی کو روح کی صدارت بنایا جائے یہاں تک کہ اس کا رضائے الٰہی میں مکمل انجذاب ہو۔ حقیقی روزہ یہ ہے کہ مصائب و شدائد کے مقابلے میں صبر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کی مکمل پاسداری کی جائے۔ اور حقیقی جہاد یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کیا جائے اور تمام معاملاتِ زندگی میں راست بازی پر استقامت اپنائی جائے۔ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے دونوں قسموں پر زور دیتے ہیں۔ جہادِ اصغر عالمِ ظاہری میں دینِ حقہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کا نام ہے اور جہادِ اکبر عالمِ باطنی میں نفس، اس کی خواہشات اور شیطان سے جنگ ہے کیونکہ یہ تینوں عالمِ باطنی کے دشمن ہیں۔

سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نماز کو ایمان کا اہم ترین ستون سمجھتے ہیں۔ اس کے اندر دیگر عبادات بھی جمع ہیں، چنانچہ رکوع و سجود کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکساری کے علاوہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے، تلاوتِ قرآن ہے اور ایمان کا اظہار و اقرار ہے۔ اس کے ذریعے خشیتِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ سے استمداد کا اظہار ہے، نیز ذاتی دعا، تضرع و زاری اور نفیِ ذات کا بھی سامان ہے۔

اگر نماز کے نمازی کے کردار اور عمل پر مثبت اثرات مرتب نہ ہوں تو یہ نماز ادھوری رہ جانے کی نشانی ہے۔ نماز کی کامیابی کی دس علامتیں یہ ہیں۔

۱۔ جمالِ الٰہی کا چشمِ باطن سے مشاہدہ۔
۲۔ لطیفۂ الٰہیہ کی خوشبو آنا۔
۳۔ شرحِ صدر۔
۴۔ فرحتِ سرّ۔
۵۔ ظہورِ روح۔
۶۔ وجد و حال۔
۷۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات۔
۸۔ حضورِ حق سے سلام کا سنائی دینا۔

اگر یہ تجربات نہ بھی ہوں تو سالک کو ملال اور حوصلہ شکنی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اسے عباداتِ دینی پر مداومت کرنی چاہیے کیونکہ اس کی منزل یہ روحانی تجربے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور حکمِ الٰہی کی بجا آوری ہے۔ اگر سالک استقامت کی راہ اپنائے تو وہ انجام کار مندرجہ بالا عظیم باطنی ذوق اور شیرینی سے آشنا ہو جائے گا۔

طریقِ راہ:

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ راہِ سلوک کے مبتدی کی تربیت اور رشد و ہدایت کا خاص اہتمام فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے سالکین کے لیے دن رات کے اشغالِ روحانی کا نظام الاوقات بھی طے کر دیا تھا۔ تخلیے میں اعمال و وظائف بجالانے کے لیے آپ نے دس شرائط گنوائی ہیں۔

۱۔ راہِ سلوک پر گامزن ہونے سے قبل سالک کے لیے ضروری ہے کہ علومِ شرعی میں ضروری سمجھ بوجھ پیدا کرے۔

۲۔ وہ نماز باجماعت ادا کرے۔

۳۔ وہ روزانہ صوفیاء متقدمین کی کتب و احوال کا کچھ دیر مطالعہ کرے۔

۴۔ تخلیے میں وہ خاموشی اور اخفاء سے عبادات بجالاتا رہے اور اس حقیقت کو ذہن میں رکھے کہ عبادت کا نو حصہ خاموشی اور ایک حصہ تخلیہ ہے۔

۵۔ وہ قرآنِ مجید کے کم از کم ایک جزو کی تلاوت کرے اور قرآن کا جو حصہ پڑھے اس کے معانی پر بھی غور و خوض کرے۔

۶۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے اور اس کی یاد سے لحہ بھر کے لیے بھی غافل نہ ہو۔

۷۔ وہ اپنا زیادہ وقت کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ورد میں صرف کرے تاکہ تسکین و اطمینان نصیب ہو۔

۸۔ وہ نوافل کی بجا آوری کرے کیونکہ حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے ارشاد کے مطابق نفل نمازوں کے بہت سے روحانی فوائد ہیں۔

۹۔ جب وہ تھکن، اضمحلال اور اکتاہٹ کا شکار ہو تو وردو وظائف کا آغاز نہ کرے۔

۱۰۔ وہ اپنے نظام الاوقات کا ایسا تعین کرے کہ تمام عبادات اور اوراد و وظائف کی باقاعدہ بجاآوری ممکن ہو سکے۔

اس نظام الاوقات کی تفصیل یہ ہے کہ قبل از سحر سنن کی بجاآوری کے بعد فرضِ صبح تک ذکر (اوادِ صمیہ) کرے۔ صبح کی فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد طلوعِ آفتاب تک ذکر (اورادِ فتحیہ) کرے۔ اس کے بعد سالک چار رکعت نماز ادا کرے اور نمازِ اشراق تک قرآنِ پاک کی تلاوت جاری رکھے۔ نمازِ اشراق کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر قیلولہ کرے، پھر جاگ کر وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز تحیۃ الوضوء اور دیگر مسنون نمازیں ادا کرے۔ نمازِ ظہر کی باجماعت ادائیگی کے بعد دو رکعت سنت ادا کرے اور قرآنِ پاک کا ایک پارہ پڑھ کر صوفیائے متقدمین کے احوال واقوال کا مطالعہ کرے تاکہ ذوق وشوق میں اضافہ ہو۔ نمازِ عصر کا وقت آئے تو باجماعت فرض نماز کی ادائیگی سے قبل چار رکعت سنت ادا کرے۔ سہ پہر کا باقی وقت ذکر میں گزارے یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو جائے۔ نمازِ مغرب کی باجماعت ادائیگی کے بعد سنتیں پڑھے اور پھر دو رکعت نفل ادا کرے۔ نمازِ مغرب میں پڑھی جانے والی مخصوص سورتوں کے متعلق سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد عشاء کی نماز تک ذکر کرے۔ عشاء کی فرض نماز سے قبل چار رکعت اور بعد میں چھ رکعت نوافل بجالائے۔ نمازوں سے فراغت کے بعد سالک رات کا تیسرا حصہ یا زیادہ سے زیادہ نصف حصہ سوئے اور پھر بیدار ہو کر اگلے دن کی عملیات اسی ترتیب سے بجالائے۔

راہِ سلوک پر قدم رکھنے کے بعد سالک کے سفر کو احوال و مقامات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مقامات درجہ بدرجہ حاصل ہوتے ہیں اور ایک خاص ترتیب کے پابند ہیں جبکہ احوال کی

نوعیت عارضی ہے اور ان میں خاص تسلسل اور ارتقاء کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

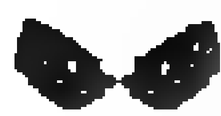
سمنانی رحمۃ اللہ نے ان احوال و مقامات کے تین درجے لکھے ہیں۔ سب سے پہلا درجہ 'مبتدی' کا ہے۔ اگلا اور درمیانہ درجہ 'متوسط' کا ہے اور آخری تکمیلی درجہ 'منتہی' کا ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ اس درجہ بندی کی بنیاد اس آیتِ قرآنی کو بناتے ہیں۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (۳۲:۳۲)

ہر مقام کے نو احوال ہیں جن میں سے دو آغاز میں، دو وسط میں اور دو آخر میں پیش آتے ہیں۔ اور چونکہ مقامات کی تعداد ایک سو ہے اس لیے احوال کی کل تعداد نو سو ہے۔ ہر مقام کے نو احوال کا قطب پانچواں حال ہے کیونکہ اس حال سے پیشتر کے احوال پچھلے مقام کے ساتھ اور اس سے بعد کے احوال اگلے مقام کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ سو مقامات میں سے ہر ایک میں مبتدی کا درجہ ایمان سے پیوستہ ہوتا ہے، متوسط کا صبر سے، اور منتہی کا تقویٰ سے۔ قطب یا واصل کا درجہ احسان و کرم سے پیوستہ ہوتا ہے۔

اگرچہ راہِ سلوک کے تینوں مدارج میں سالک مختلف روحانی احوال اور تجربات سے گزرتا ہے، باطنی تعلیم و تربیت کے ضمن میں سمنانی رحمۃ اللہ کی توجہ کا خصوصی مرکز مبتدی ہے۔ آپ نے مبتدی کو اس راستے کے آداب و اطوار سے آشنا کرنے کے لیے مفصل ہدایات تحریر فرمائیں اور انہیں علائقِ دنیوی کے ممکنہ خطرات سے بھی آگاہ کیا۔ مبتدی کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ سمنانی رحمۃ اللہ کی صوفیانہ تحریروں کا بنیادی خاصہ ہے۔ 'فرحت العاملین' میں فرماتے ہیں۔

> ''علمِ سرمدی کا خزانہ خانقاہوں کے گرد آلود گوشوں میں تلاش کرو۔ یقین رکھو کہ یہ خزانہ انہی گوشوں کی امانت ہے۔ ان کی ظاہری تاریکی اور تنگدامنی پر نہ جاؤ کیونکہ یہ محض اس خزانے کو چھپانے کی خاطر ایک طلسم ہے تاکہ ہر کس و ناکس

کی اس تک رسائی نہ ہو۔ لوگ جب اس ظاہری حالت کو دیکھتے ہیں تو اس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور اس طرح یہ خزانہ بیگانے ہاتھوں میں جانے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن تُو اے سالکِ راہ، جو ان خزانوں کا متلاشی ہے اپنا رخ درگاہِ محمدی ﷺ کی طرف پھیر لے اور اس خزانے کی کنجی کو حاصل کرلے جو کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہ ہے، اور اگر خزانے کو اس کنجی سے کھولنے کا راز مرشدین سے حاصل کرے تو اس کا کھولنا تیرے لیے آسان ہو جائے گا۔ اور جب تُو اس خزانہ کو پالے تو مغرور نہ ہونا کیونکہ یہ آخری منزل نہیں ہے۔" ☆



باب ہفتم

خلوت اور ذکر

تکمیلِ ذات کی منزل کو پانے کے لیے لوگوں سے دُوری اختیار کر کے خلوت گزین ہونا ضروری ہے۔ یہ خلوت نشینی جو حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے خود بھی بکثرت اختیار کی، دراصل دل کو غیر اللہ سے الگ کر کے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے اور یوں اس کی درگاہ تک رسائی پانے اور اس کی قربت میں جگہ پانے کا نام ہے۔ سالک خلوت گزین ہو کر مختلف عبادات و ریاضات بجا لاتا ہے اور یوں راہِ سلوک کے مختلف احوال اور مقامات کو طے کرتا ہوا آخر کار اپنے لطیفۂ انائیہ کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ ایک مکمل مرأتِ خداوندی بن جائے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک کوئی انسان خلوت نشینی کے بغیر حسنِ اطاعت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ خلوت نشینی کا عمل ابتدائے سلوک میں خاص طور پر مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس ابتدائی مرحلے پر سالک کو نفسِ سفلی اور شیطان کی مخالفت کا سامنا ہوتا ہے۔ خلوت نشینی کی غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر سمنانی رحمۃ اللہ نے اس کی ماہیت اور لوازمات کے بیان پر خصوصی توجہ دی ہے۔ سلسلۂ کبرویہ کے دیگر بزرگوں خاص کر شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ اور شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے بھی اس موضوع پر خاص طور پر زور دیا ہے اور اعتکاف کے شرائط گنوانے کے علاوہ ہر ایک پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ خلوت نشینی کے آٹھ اصول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ سے منسوب ہیں، جن میں بعض اوقات مزید دو کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے تعلیم کردہ انہی اصولوں پر سختی سے کاربند تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان اصولوں پر عمل پیرا ہوئے بغیر خلوت نشینی کا عمل بے کار اور بے مصرف ہے۔ چنانچہ سمنانی رحمۃ اللہ کی تعلیمات کو بھی ان اصولوں کی روشنی میں ہی تسلی بخش پیرائے

میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ حواسِ ظاہری کی حفاظت۔

۲۔ مسلسل طہارت کی حالت میں رہنا۔

۳۔ مسلسل روزے رکھنا۔

۴۔ مسلسل خاموشی۔

۵۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مسلسل ورد۔

۶۔ توجہ میں خلل ڈالنے والے امور کو دل و دماغ سے ہر وقت دُور رکھنا۔

۷۔ باطنی توجہ مکمل طور پر مرشد کی طرف مرکوز رکھنا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کے اعتراض سے پرہیز کرنا۔

ان اصولوں اور شرائط کی مزید وضاحت درکار ہے۔ اگرچہ تخلیہ ایک باطنی عمل ہے جس کے ذریعے آدمی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے علیٰحدگی اور تنہائی اختیار کر لیتا ہے، لیکن ظاہری اور جسمانی طور پر بھی آدمی کو معاشرے سے الگ ہونا پڑتا ہے۔ خلوت گزینی کا یہ عمل ایک بیت الخلوت میں اختیار کیا جاتا ہے جس کی وسعت محض اتنی ہوتی ہے کہ اکیلا آدمی عبادت کر سکے اور اس کی کوئی کھڑکیاں اور دریچے ایسے نہ ہوں جن سے سورج کی روشنی اندر داخل ہو سکے۔ اس طرح کا تخلیہ حواسِ ظاہری پر قابو پانے کی منزل کو آسان بنا دیتا ہے۔ تخلیے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے لیے سالک کو چاہیے کہ وہ حوائجِ ضروریہ کی انجام دہی، وضو تازہ کرنے اور نماز باجماعت کی ادائیگی کے علاوہ کسی مقصد سے بھی خلوت گاہ کو نہ چھوڑے۔

دوامِ طہارت، روزہ اور خاموشی سے بھی حواس کو قابو میں لانے اور نفس کو زیر کرنے میں مدد ملتی ہے۔ دراصل یہ نفسِ سفلی ہے جو لطیفۂ روحِ حیوانیہ کی مماثل ہے اور جو برائی کا سرچشمہ اور رذیل خصوصیات کا باعث ہے۔ روحِ سفلی جو برائی کی طرف راغب کرتی ہے،

شیطان کی ہمکار ہے اور عوالمِ جسمانی وروحانی میں اس کی تابع فرمان ہے۔ یہ نفس قلب اور روح کی قوائے شریفہ وعلویہ سے برسرِ پیکار رہتا ہے اور اسے زیرِ نگیں کرنے کے درپے ہوتا ہے تاکہ انہیں اپنی اور اپنے مخصوص قویٰ کی خدمت میں مشغول کر دیا جائے۔ راہِ سلوک کی برتر منزلوں کو پانے والوں کے اندر بھی نفسِ امّارہ ان اخلاقِ رذیلہ کے حامل قوائے سفلیہ سے حاصل ہونے والی اپنی موروثی خصوصیات کو برقرار رکھتا ہے۔ نفسِ امّارہ اس موتِ اختیاری سے جسے فنا بھی کہتے ہیں، نہیں مرتا بلکہ محض منتشر ہو جاتا ہے اور اس کی شرانگیز خصوصیات برقرار رہتی ہیں۔ نفسِ امّارہ انسان کی جسمانی موت کے ساتھ ہی معدوم ہوتا ہے۔ اس لیے سالک کو چاہیے کہ وہ نفس سے ہوشیار رہے اور اس کی خواہشات سے باخبر رہے کیونکہ جب تک مادی وجود باقی ہے یہ اس کا حاکم بنا رہتا ہے۔

مبتدی کے لیے نفسِ امارہ کا مقابلہ کرنے کا بہترین طریقہ خاموشی اور خورد وخواب سے پرہیز کرنا ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک اس سلسلے میں نفس پر سختی اور جبر کرنا پڑتا ہے اور اس کی تسکین محض اس حد تک ہونی چاہیے کہ جسم وروح کا رشتہ برقرار رہے۔ عالمِ مادی سے اس سے بڑھ کر جو بھی رزق یا آسائش اسے ملے گی اس سے اس کی سفلی خصوصیات میں اضافہ ہی ہوگا۔ تاہم یہ احتیاط بھی لازم ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں ان سے نفس کو روکنے سے گریز کیا جائے۔ اس کی ایک استثنائی صورت یہ ہے کہ ابتدائے سلوک میں آدمی شیخ کی رہنمائی سے محروم رہ جائے تو وہ جہالت کے باعث حلال کو بھی ترک کرے۔ لیکن جب وہ راہِ سلوک کے تقاضوں سے آگاہ ہو جائے یا شیخِ طریقت کی رہنمائی سے بہرہ ور ہو جائے تو اور مبتدی کو چاہیے کہ اپنے اعمالِ گزشتہ سے توبہ کرے اور جس حلال شے کو اپنے اوپر ناجائز کر رکھا تھا اس پرہیز کے خاتمے کی علامت کے طور پر اس حلال شے کی کافی مقدار تصرف میں لائے۔

نفسِ امّارہ کے خلاف جنگ میں طہارت بھی ایک کارگر ہتھیار ہے۔ دوامِ طہارت نفسِ سفلی اور شیطان کے خلاف ڈھال اور زرہ کا کام دیتا ہے۔ وضو ایک عظیم نور ہے جو خلوت کے اندھیرے کو منوّر کرتا ہے۔ جہاں طہارتِ ظاہری جسم کی آلائشوں کو دُور کرتی ہے وہاں طہارتِ باطنی قلب کو حضوری عطا کرتی ہے اور زبان کو ذکر میں مصروف رکھتی ہے اور یہ دونوں امور سالک کی پستیِ فطرت سے نجات اور تزکیۂ باطنی کے لیے مددگار ہیں۔ تمام باطنی ریاضتیں ہی دراصل طہارتِ باطنی کے حصول کی صورت ہیں اور اسی سے باطنی مقامات وابستہ ہیں۔ اس ضمن میں مبتدی کو تجلیاتِ صوری حاصل ہوتی ہیں۔ متوسط کو تجلیاتِ نوری حاصل ہوتی ہیں اور منتہی کو تجلیاتِ معنوی حاصل ہوتی ہیں۔ قطب کو جسمِ مادی کے فنا کے بعد تجلیِ ذوتی حاصل ہوتی ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

> ''اے اہلِ غفلت! اپنے باطن کی لوح کو اس عالمِ خلق کے غبار سے صاف کرنے کی کوشش کرو جو ہوائے نفسانی کے باعث اس پر جمع ہو جاتا ہے اور ذکر میں کوشش کرو تا کہ وہ کتابیں جو الہام ہوئیں اور وہ جو الہام نہیں ہوئیں تم ان کی تلاوت کرنے کے قابل بن جاؤ اور اس امّ الکتاب تک رسائی حاصل کر سکو جو عالمِ لاہوت میں محفوظ ہے۔''

تخلیہ کا بنیادی مقصد ذکرِ الٰہی میں مستغرق ہونا ہے تا کہ سالک کو ایسا تزکیہ حاصل ہو کہ وہ جمالِ خداوندی کا شاہد بن سکے۔ مسلسل خاموشی تخلیہ کی شرائط میں سے ہے اور حواسِ ظاہری کی نفی اور نفسِ سفلی سے پیکار کے لیے ضروری ہے۔ وہ واحد قابلِ تخفیف امر جس کے لیے سالک خاموشی توڑ کر تخلیے سے باہر نکل سکتا ہے، یہ ہے کہ وہ دورانِ ریاضت پیش آنے والی بعض باطنی واردات کے معنیٰ جسے وہ خود سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے، شیخ سے دریافت کرنے کی غرض سے ایسا کرے۔ البتہ شیخ سے بالمشافہ گفتگو صرف اسی صورت میں کرے جب عالم

باطنی میں شیخ سے کسبِ فیض ممکن نہ ہو۔ شیخ سے رہنمائی کے لیے ترکِ سکوت کی اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ فکرِ سمنانی رحمۃ اللہ میں باطنی رہبر کی اہمیت بہت زیادہ ہے، تاہم آپ نے مطالعۂ کتب کی اہمیت سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا، بلکہ آپ نے صوفیائے متقدمین کی تحریروں کے مطالعے کو ضروری قرار دیا ہے اور سالکین کو ہدایت کی ہے کہ وہ شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ کی 'آدابِ المریدین' سے راہِ سلوک کے آداب سیکھیں اور تفاصیل کے لیے مجدد الدین بغدادی رحمۃ اللہ کی 'تحفۃ البررہ فی المسائل العشرہ' کا مطالعہ کریں۔ تاہم ان کتابوں سے حاصل شدہ علم ایک زندہ رہبر کی رہنمائی کا نعم البدل نہیں بن سکتا۔

شیخِ طریقت کا اس جہانِ فانی میں زندہ حالت میں ہونا ضروری ہے تاکہ وہ سالک کو سیدھا راستہ دکھائے اور اسے اس راہ میں پیش آنے والی پریشان خیالی اور اوہامِ فاسدہ اور ان کے اسباب پر مطلع کرے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرشدِ اولیں حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بصورتِ بشر اور انسانِ فانی پیدا فرمایا اور حکم فرمایا کہ آپ لوگوں سے کہیں کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ دیگر تمام شیوخِ طریقت اور مرشدینِ حقیقت سندِ ارشاد مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی وساطت سے حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کرتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے تمام اسرارِ باطنی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانت دار بنایا اور آپ کو عالمِ نور اور عالمِ باطنی کے اسرار و رموز سمجھائے اور اپنی معیت میں حضرتِ حق تک پہنچایا۔

سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک شیخ یعنی مرشدِ حقیقی کی بیعت کیے بغیر صوفی بننا ممکن نہیں ہے۔ جو شیخِ طریقت کی رہنمائی کے بغیر محض اپنی تخمین و ظن کی بنیاد پر باطن کا سفر طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی ریاضت بے ثمر ثابت ہوتی ہے۔ راہِ خدا پر چلنے کے لیے ضروری ہے کہ سالک اپنے آپ کو مرشد کے حوالے کر دے اور زمامِ اختیار اسی کو سونپ

دے۔ باطنی ریاضت کے لیے مرشد کی سرپرستی نہایت ضروری ہے کیونکہ بقول سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ماہر اور ہمدرد طبیب کے بغیر قلبِ بیمار کا علاج ہونا ممکن نہیں ہے۔

خود کو مرشد کے حوالے کرنے یا اس کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا مطلب اس کے ہر حکم پر مکمل اعتماد کرنا ہے۔ سالک کو کبھی خفیہ یا علانیہ اس کے کسی حکم پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ایسا کرنا نفس کو شیطان سے راز و نیاز کی اجازت دینے اور شیطان کو نفس کے اندر دخول اور اسے ذات و صفاتِ الٰہی کے بارے میں شبہات سے بھر دینے کی اجازت دینے کے مترادف ہوگا۔ مرشد پر مرید کے یقین اور اعتماد کا ایسا عالم ہونا چاہیے کہ اگر مرشد راہِ سلوک کے مسلمہ اور صحیح طریقوں کے منافی بھی کوئی حکم دے تو مرید بلا چون و چرا اس پر عمل کرے۔ شیخ کے حکم سے غیر واجب امورِ دینی کا ترک کرنا اپنی رضا سے انہیں اختیار کرنے سے بہتر ہے۔ مثال کے طور پر شیخ کے حکم سے ہفتہ بھر روزانہ مرغِ مسلّم اور شیرینی تناول کرنا اپنی رضائے نفس سے نانِ جویں کے ٹکڑے کھانے سے بہتر ہے۔

اسی طرح شیخ طریقت سے مکمل قلبی تعلق اور رابطہ قائم کرنا تخلیے کے ابتدائی شرائط سے زیادہ دشوار امر ہے۔ اگر یہ تعلق کمزور ہے تو سالک کا سنتِ نبوی ﷺ سے تعلق بھی کمزور ہوگا۔ سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، سالک کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس آیتِ کریمہ کی رو سے وہ اپنے مرشد کے وسیلے کے بغیر اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ ''قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ط'' (البقرۃ ۶۰) اور سالک کا مشرب ولایتِ شیخ ہے۔

تخلیے کی دوسری شرط دل سے تمام اچھے برے خیالات کو دُور کرنا ہے۔ خیالات و اوہام سے گلوخلاصی کے بغیر قوائے باطنی پر تصرف ممکن نہیں جو راہِ سلوک پر گامزن ہونے کا ایک احسن اور پسندیدہ نتیجہ ہے۔ تمام امورِ باطنی اور مشاہدات و معائنات کی تشریح کے لیے سالک کا اپنی ذات کی بجائے مرشد سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ

آخر کار اسے نورِ عقل اور نورِ عدل سے مشرف فرمائے گا تاکہ وہ نورِ عقل سے تمیز اور نورِ عدل سے تفریق کی صلاحیت حاصل کرے۔

فاسد خیالات سے نجات اور قوائے باطنی پر تصرف پانے کا طریقہ ذکرِ الٰہی ہے۔ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے ذکر کے طریق اور اہمیت کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ذکر کے اصول:

سمنانی رحمۃ اللہ راہِ سلوک میں ذکر کے عمل کی وضاحت کے لیے اکثر نور کا استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ دوامِ ذکر سے ایک نور پیدا ہوتا ہے جو نورِ محبت کہلاتا ہے۔ لیکن اگر سالک کے جسمانی اور مادی عناصر موجود رہیں تو اس نور کے ساتھ دھواں بھی ہوتا ہے جو اسے سالک سے دُور رکھتا ہے۔ اس دھوئیں کو دُور کرنے کا واحد ذریعہ نورِ محمدی ﷺ ہے۔ سنتِ نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کی بنیادی عبادات یعنی نماز، روزہ وغیرہ کی بجا آوری سے خزانہ دل میں موجود اسرارِ الٰہی کا سالک پر انکشاف ہوتا ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا o (الدھر ۲۵) اصیلِ جسمانی یعنی رب کو شامِ جسمانی سے یاد کرنا اور بکرۃ الرّوحانیہ یعنی اسے روح کی صبح سے یاد کرنا کفر و عصیان اور طاغوتی قوتوں کا اثر زائل کر دیتا ہے۔ دوسری جگہ حکمِ ربانی یوں آیا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا o (المزمل ۸)

جو لوگ ذکرِ الٰہی سے عمداً اجتناب کرتے ہیں وہ حزب الشیطان ہیں۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o (المجادلہ ۱۹) اس کے برعکس نیکوکار ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے ہیں، اور علائق دنیوی انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتے کیونکہ ان کا دھیان ہمیشہ اس آیت

کریمہ کی طرف ہوتا ہے۔ فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرة ۱۵۲) یوں سالکِ راہ شیخ کے حکم پر جملہ اسباب وعلائق کو ترک کر دیتا ہے اور دوامِ ذکرِ الٰہی سے وہ نعمتوں کی نفی کی بھی سعی کرتا ہے اور خدا سے صرف خدا کو ہی مانگتا ہے۔ سرِّ سماع میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ (الجن ۱۸) یعنی عالمِ روحانی میں مساجدِ قلوب اللہ تعالیٰ کے لیے بنائی گئی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ان مسجدوں میں کسی اور کا نام نہ لو۔ ضرر رساں خیالات کو اپنے دل میں داخل نہ ہونے دو۔ ان خیالات کو دراندازی کی اجازت دینے سے ذاکر کے دل میں کبر ونخوت پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ذکرِ قلبی میں اوہامِ فاسدہ سے بچنا ضروری ہے۔"

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے سلوک کا آغاز شیخ کی رہبری کے بغیر ہی کیا تھا اور اپنے طریقِ ریاضت کا خود ہی تعین کر لیا تھا۔ اخی شرف الدین کی آمد سے قبل آپ دن میں تین سو رکعت نماز ادا فرماتے تھے اور کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد دو لاکھ مرتبہ کرتے تھے۔ تاہم آپ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے مرشد شیخ نور الدین اسفرائنی سے ایک مفصل طریقِ ریاضت سیکھا جو مؤخر الذکر نے سلسلۃ الذہب کے شیوخ کی وساطت سے بلا انقطاع حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ سے اخذ کیا تھا اور شیخ معروف کرخی سے قبل یہ طریقہ حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی وساطت سے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے۔

اگرچہ سمنانی رحمۃ اللہ کا طریقۂ ذکر وہی ہے جو حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ سے منقول ہے لیکن اس کا ظاہری طریقِ کار اس ذکر سے مختلف معلوم ہوتا ہے جو سمنانی رحمۃ اللہ نے اخی شرف الدین سے پہلی ملاقات کے موقع پر اخذ کیا تھا۔ ممکن ہے شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ نے سمنانی رحمۃ اللہ کو اخی شرف الدین کو سکھائے ہوئے طریقے سے کسی اکمل و برتر طریقِ ذکر کی

تعلیم دی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود سمنانی رحمۃ اللہ نے اس طریقِ ذکر میں کچھ تبدیلیاں پیدا کی ہوں اور بنیادی ذکر کو اسی طرح برقرار رکھتے ہوئے جسمانی حرکات و سکنات اور تنفس سے متعلقات جزویات شامل کردی ہوں۔

سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک طریقِ ذکر یوں ہے کہ سالک رو بہ قبلہ ہو کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائے اور اس دعا سے ذکر کا آغاز کرے۔ (ترجمہ:) اللہ! اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ اے میرے مالک، میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور ان شیاطین کے سرداروں سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

اس کے بعد وہ تین مرتبہ کلمہ توحید؟ کا ذکر کرے اور اپنے شیخ کو تصور میں لائے جیسے وہ اس کے دل میں موجود ہے اور وہ اس کے آگے حاضر ہے۔ اس کے بعد ذکر آغاز کرے جس کی بہترین صورت کلمہ لَآ اِلٰـــــہَ اِلاَّ اللّٰہ ہے۔ اس کلمہ کو چار ضربوں میں حسبِ ذیل طریقے سے ادا کرے۔

۱۔ ذاکر اپنی پوری قوت سے لَآ کہے اور اپنی سانس ناف کے مقام سے اوپر کھینچ کر باہر نکالے۔

۲۔ پھر وہ کلمہ اِلٰہ پڑھے اور سانس اندر کھینچتا ہوا سینے کی دائیں طرف اشارہ کرے۔

۳۔ پھر وہ سانس باہر نکالتا ہوا اِلاَّ پڑھے سر کو دائیں سے بائیں جانب جھٹکا دے۔

۴۔ آخر میں سانس کو اندر کھینچتا ہوا اللّٰہ کہے اور سینے کی بائیں جانب صنوبری شکل کے قلب ظاہری کی طرف اشارہ کرے۔ اس طرح لفظ اللّٰہ کی پوری قوت قلب تک پہنچے گی اور اس میں موجود جملہ خواہشاتِ نفسانی کو جلا کر رکھ دے گی۔ قلبِ ظاہری یا جسمانی محض گوشت کا لوتھڑا ہے اور روحِ حیوانی کا مقام ہے لیکن اس میں سے ایک دریچہ قلبی حقیقی و باطنی کی طرف کھلتا ہے اور یہاں سے نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اس نور سے عالمِ باطنی روشن

ہو جاتا ہے اور سالک کو جسم کے اعضاء و جوارح کی نوعیت کے متعلق علم ہو جاتا ہے کہ کون کون سے قوائے جسمانی بے ضرر اور کون سے ضرر رساں ہیں۔

دورانِ ذکر سالک اپنے ابروؤں کی طرف دیکھے تاکہ وہ اس کیفیت کا مشاہدہ کر سکے جس میں روزمرّہ ذکر کا عمل معدے کے مقام سے جگر کی طرف صعود کرتا ہے اور جگر سے یہ قلبِ مادی تک جاتا ہے اور وہاں سے سر تک پہنچتا ہے۔ مقامِ سر سے یہ مادی آنکھوں سے اکتسابِ نور کے بعد قلبِ حقیقی یا قلبِ باطنی تک پہنچتا ہے۔ ذکر کے قلبِ باطنی و حقیقی تک اس صعود کے دوران ہی ذاکر کو مختلف الوان اور رویا نظر آتے ہیں۔

یہ امر ضروری ہے کہ ذاکر اپنے سانس کو قابو میں رکھے اور اس کی رفتار پر دھیان دے تاکہ وہ ہر لمحے اور ہر سانس کے ساتھ مصروفِ ذکر رہ سکے۔ ہر نئے سانس کے ساتھ اسے ایک نئی آگہی حاصل ہوتی ہے کیونکہ جس طرح اس کا ہر سانس میں حصہ ہے اسی طرح ہر سانس کا اس پر ایک حق ہے۔ سانس سے اس کا حصہ زندگی ہے جبکہ سانس کا اس پر حق ذکرِ خداوندی ہے جس کے ذریعے سے اسے ذات و صفاتِ الٰہی کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

اگر سالک اوقاتِ مقررہ میں سے کسی وقت ذکر سے قاصر رہے تو اسے چاہیے صبح یا شام کے وقت اس کو پورا کرے۔ تاہم نمازوں کے اوقات میں مصروفِ ذکر ہونا مکروہ ہے۔ سالک کے لیے نمازِ صبح سے لے وقتِ طلوعِ آفتاب تک اور غروبِ آفتاب سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک کے دوران میں ایک دن کے لیے بھی ذکر سے ناغہ کرنا ممنوع ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ان دو اوقات میں مصروفِ ذکر نہ ہو وہ اگرچہ صوفی ہونے کا دعوے دار ہو اور ایک ہزار بار چلّہ کشی کرے، درحقیقت مدعی کاذب ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں سمنانی رحمۃ اللہ سالک کو ہدایت فرماتے ہیں۔

''اپنی خلوت نشینی اور معرفت پر مغرور نہ ہو۔...... ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا

رہ اور اپنے نفس سے جہاد جاری رکھ تاکہ یہ دنیوی خواہشات سے مغلوب نہ ہو جائے۔ ہر دن اور ہر رات پانچ مرتبہ اپنے نفس کا احتساب کر اور اس کا تنقیدی امتحان لے۔ ذکر میں استقامت اختیار کر، خاص کر نمازِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور غروبِ آفتاب سے لے کر رات ہو جانے تک، تاکہ تُو ان دو اوقات میں یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو جائے۔ اس طرح تیرا نام سست، کاہل اور غافل لوگوں کے بجائے خیر کے لیے جدوجہد کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے سالکین کے دفتر میں لکھا جائے گا۔"

سالک کی زبان کو ذکرِ الٰہی کے علاوہ کوئی چیز پاک نہیں کر سکتی جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ﴿الاعلیٰ﴾ اسمائے الٰہی میں سے اعلیٰ ترین اسم اللہ ہے لیکن سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک محض اللہ کا ورد کرنے سے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا ورد زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کلمہ میں لفظ اللہ بھی شامل ہے اس کے علاوہ اس سے نفیِ شرک اور اثباتِ توحید بھی ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تصوف کے عظیم ترین بزرگوں نے جن کا تعلق طبقۂ جنیدِ بغدادی رحمۃ اللہ سے ہے اسی کلمہ کو راہِ سلوک پر گامزن ہونے والوں کے لیے جو اپنے قلوب کا تزکیہ کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، تاکہ قوتِ ذکرِ الٰہی کا ان پر نزول ہو، مثالی ذکر قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کلمے میں تمام نعمتوں اور فوائد کو جمع کر دیا ہے اور جو کوئی اس کا ورد خلوص اور سچے عقیدے کے ساتھ کرے وہ اصحابِ یمین میں شمار ہوگا۔ یہ لوگ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں گے اور شیطان انہیں ان کے راستے سے بھٹکانے میں ناکام رہے گا۔ سمنانی رحمۃ اللہ اس ضمن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ جو کوئی خلوص کے ساتھ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا ورد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

کلمۂ لَآ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہ کے ورد پر اس درجہ زور دینے سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت عقائدِ اسلام کے مبادی سے بھی بڑھ کر ہے لیکن جوں جوں سالک راہِ باطن پر قدمی کرتا ہوا منزلِ آخر کی طرف بڑھے گا، اسے معلوم ہوگا کہ ان عقائد کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ 'صلوٰۃ العاشقین' میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''اس شخص پر رحمت جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کی پیروی کرے۔ اور اس شخص پر رحمت علیٰ رحمت جو شریعت اور طریقت دونوں پر گامزن ہو۔ اور اس شخص پر رحمت علیٰ رحمت علیٰ رحمت جو شریعت کی پاسداری کرنے کے بعد ذکر کی صورت میں علم الیقین کو پہنچے پھر طریقت پر گامزن ہو اور معنیٔ ذکر میں عین الیقین کو پہنچے پھر حقیقت میں حضور ﷺ کی پیروی کرے اور حقیقتِ ذکر کے ساتھ حق الیقین کی منزل کو پہنچے پھر اپنے ذکرِ باطنی کو اپنے ذکرِ ظاہری سے ارفع مقام پر یعنی معنیٰ اور حقیقت تک پہنچائے تاکہ وہ اس امر کا حقدار بن سکے کہ ذکرِ حقیقی میں سرتاپا غرق ہو۔''

اگرچہ ایک ہی مرتبہ خلوصِ نیت کے ساتھ کلمۂ لَا اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہ کہنے سے آدمی دائرۂ کفر سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور کفر کے ظاہری بت کو شکست سے دوچار کرتا ہے لیکن اس بت کے علاوہ وہ مجازی بت بھی ہیں جو قرآنِ کریم کے الفاظ میں آدمی کے اپنے خواہشاتِ نفسانی کے بت ہیں۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ...... (الجاثیہ:۲۳) ان بتوں کو شکست دینے کے لیے مکمل توجہ اور فہمِ کامل کے ساتھ دوامِ ذکر خالصتاً لوجہ اللہ درکار ہوتا ہے۔ ایسے سالک کو اس امر کی سعی کرنی چاہیے کہ حرف لا کے مد کی ادائیگی کے بعد کوئی خیال اور ظن باقی نہ رہے۔ اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کی ادائیگی کے اختتام تک کوئی بھی پریشان کن خیال باقی نہ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور خیال کا اشتراک نہیں ہو سکتا۔

سمنانی رحمۃ اللہ ذکرِ جلی اور ذکرِ خفی کے فرق پر زور دیتے ہیں اور مؤخر الذکر کی افضیلت کا بیان کرتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ ذکرِ جلی دینی اور عقلی دونوں اعتبارات سے ممنوع ہے۔ دینی بنیاد پر اس عقیدے کے اثبات کے لیے وہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ...... (الاعراف ۲۰۵)

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (الاعراف ۵۵)

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل ۱۱۰)

ان آیاتِ کریمہ کے علاوہ سمنانی رحمۃ اللہ احادیثِ نبوی ﷺ کا بھی حوالہ دیتے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن سلامی سے مروی یہ حدیثِ مبارکہ کہ "بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرنے والا ہے۔"

ان دینی وجوہ کے علاوہ ذکرِ خفی کی افضیلت کے دس عقلی ثبوت بھی ہیں:

۱۔ خلوت گزینی کے فوائد میں سے ایک حواسِ ظاہری پر قابو پانا ہے تاکہ باطنی حواس کا ارتقاء ممکن ہو سکے جبکہ ذکرِ جلی سماعت کی حس ظاہری کو زیر نہیں کر پاتا۔

۲۔ تنفس پر قابو نورِ باطنی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے یہ ذکرِ جلی کے ذریعے ممکن نہیں۔

۳۔ تمام عباداتِ دینی میں خلوص بنیادی شرط ہے جبکہ ذکرِ جلی میں ریا کا خوف ہے۔

۴۔ راہِ سلوک میں ذکر کے قلب تک پہنچنے کے لیے خواہشاتِ نفسانی کا مکمل خاتمہ ضروری ہے۔ مضبوط ذکرِ خفی کی حرارت کے بغیر جو قلبِ حقیقی باطنی تک پہنچتی ہے ان خواہشات کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف جب صوفی ذکرِ جلی میں مصروف ہوتا ہے تو سانس

باہر آتا ہے اور اس کی بہت سی حرارت دہن کے راستے نکل جاتی ہے اور یہ ذکر اسے باطنی درجے تک پہنچنے میں مانع ہو جاتا ہے۔

۵۔ ذکرِ جلی عقل اور دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے۔

۶۔ ذکرِ جلی میں شرابِ نفس شامل ہوتی ہے جو خواہشِ نفس کے سماعِ ذکر کو مغلوب کرنے کا باعث بنتی ہے۔

۷۔ ذکرِ جلی باطنی گفتگو، دعا اور سالک کی اپنے رب کے نزدیک حضوری کے دوران قلب کے انتشار کا باعث بنتا ہے۔

۸۔ ذکرِ جلی کے برعکس ذکرِ خفی غیر مرئی عالم کی طرف در کھولنے کا ذریعہ ہے۔

۹۔ ذکرِ جلی حضورِ خداوندی میں ترکِ آداب کا موجب بنتا ہے اور سالک کے لیے باعثِ عذاب بنتا ہے۔

۱۰۔ ذکرِ جلی مذکور کے سماعِ ذکر میں خلل کا باعث بنتا ہے جو کہ ذاکر کی اصل منزل ہے۔

ذکرِ جلی کو میں نے بلند آواز سے پڑھے جانے والے ذکر کی بجائے سنائی دینے والے ذکر کے معنوں میں استعمال کیا ہے تاکہ سمنانی رحمۃ اللہ نے ذکر کے جن مدارج کا ذکر کیا ہے ان کی تفہیم میں آسانی ہو۔ ذکرِ جلی یعنی سنائی دینے والے ذکر کے علاوہ آپ نے ایسے ذکر کا بھی بیان کیا ہے جسے 'ذکر اللسانی القوی الخفی' کا نام دیا گیا ہے اور بعض مقامات پر 'ذکر اللسانی القالبی' کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ ذکر کی یہ قسم ذکرِ جہری سے مشابہ ہے کیونکہ یہ ظاہری ہے اور زبان سے ادائیگی کے وقت ذکر کی طرف شعوری توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری طرف ذکر اللسانی الخفی سنائی نہیں دیتا اور ذکرِ جہری کے برعکس ذاکر کی توجہ ادائیگی پر نہیں ہوتی۔

ذکر اللسانی سالک کے لیے راہِ سلوک کے ابتدائی مراحل میں زیادہ مفید ہے کیونکہ یہ عالمِ جسمانی کے میلانات کا میل کچیل صاف کرنے میں معاون ہے۔ تاہم ان میلانات

سے مکمل طور پر گلوخلاصی حاصل کرنا ذکر اللسانی القوی النفی کے بغیر ممکن نہیں۔

اگر چہ یہ ذکر خاموشی سے کیا جاتا ہے لیکن کلماتِ ذکر کو دہرانے میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ کلمہ کی ادائیگی پُر زور طریقے سے ہونی چاہیے اور الفاظ کی ادائیگی صحیح انداز میں ہونی چاہیے کیونکہ قلب کی قوت الفاظ اور مخارج کی درست ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ کے بقول جب سالک ذکر اللسانی القلبی کے ساتھ سانس لیتا ہے تو یہ دنیائے فانی اور اس پر موجود پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ جاتے ہیں۔

ابتدائے سلوک میں جب سالک پر ابھی خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اسے وقوعِ ذکر پر شعوری طور پر دھیان دینا چاہیے۔ اس مرحلے پر اسے چاہیے کہ وہ خواہشات کے انخلا کے شعوری احساس کے زیرِ اثر رہے۔ یہ ذاتی ارادے کی نفی اور اس امر کے اثبات کے بغیر ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں میں ہر ارادے کا مالک ہے۔ ذکر میں شعوری اشغال کی ایک وجہ یہ ہے کہ دین کو انکل اور رسم و عادت پر مبنی شے نہ سمجھا جائے کیونکہ حقیقی عبادت ترکِ عادت میں مضمر ہے۔ ایمان لانے کے بعد دین کے حقیقی معنی کو نظر انداز کر دینا اور عادت اور وراثت کا اسیر ہو جانا کفر کی طرح قابلِ ملامت و نفرین ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں سمنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

> ''اللہ کے ذکر میں حضوری، تلاوت میں خشوع اور اطاعت میں تسلیم پیشہ بننے کی کوشش کرو، گویا کہ تم قرآن کو خدا سے سن رہے ہو اور اس کا ذکر گویا اس کے حضور میں کر رہے ہو۔''

اگر چہ ابتدائے سلوک میں ایسی توجہ ضروری ہے، انجام کار وہ ایسے مرحلے پر پہنچ جاتا ہے جب وہ ذکر اور خود اپنے وجود دونوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ اپنے وجود کی ایسی نفی کے ذریعے ہی سالک حقیقت حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے۔ تفسیر نجم القرآن میں مزید فرماتے ہیں۔

"کیا کبھی ذکر میں تجھ پر ایسا وقت آیا جب تو نے اپنے وجود کو فراموش کیا ہو؟ اگر ایسا نہیں تو تُو کبھی ذکر حقیقی کی تکمیل کو نہ پہنچ سکے گا کیونکہ حقیقی ذکر کا تقاضا اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے کو فراموش کر دینا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ...... (الکہف:۲۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے کو فراموش کر دو۔ پس اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھو جب وہ فرماتا ہے۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ (الدھر:۱) یہ وہ حال ہے جو ذاکر پر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کے مرتبہ تک پہنچے جب قوتِ ذکرِ خداوندی اس کے وجودِ خاکی پر حاوی ہو جاتی ہے۔ یہاں جسمِ خاکی اپنی خاکی صفت کو چھوڑ دیتا ہے اور ذکرِ حقیقی کا نور جسم کے ہر حصے میں سرایت کر جاتا ہے۔"

راہِ سلوک میں سالک کی پیش قدمی کے اعتبار سے سمنانی رحمۃ اللہ ذکر کے بھی تین مدارج بیان کرتے ہیں۔ پہلا مرحلہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ذکر کا یہ طریقہ عالمِ ناسوت کا ہے کیونکہ اس عالم کے رہنے والے بہت سے خداؤں اور دیوتاؤں کے وجود پر یقین رکھتے ہیں اور خدائے حقیقی اور رب الارباب سے پردے میں ہوتے ہیں۔ پس ان خداؤں اور دیوتاؤں کا انکار اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے اقرار سے جو اس کلمہ میں مضمر ہے مبتدی شرک اور کثرت پرستی سے نجات پالیتا ہے۔ ذکر کا دوسرا مرحلہ عالم ملکوت کے ذکر کا ہے اور جو صرف لفظ اللہ پر مشتمل ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ (الانعام:۹۱) اس مرحلہ پر صرف اللہ کا نام ہی کافی ہے کیونکہ عالمِ ملکوت میں کثرت کے معدوم ہو جانے کے باعث غیر اللہ کی نفی کی ضرورت نہیں رہتی۔ ذکر

کی تیسری صورت جو کہ عالمِ جبروت کی ہے محض لفظ ھُـــو ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے بیانِ توحید میں لفظ ھو کو اللہ پر اولیت دی ہے۔ اس کلمہ کی اولیت کے ثبوت میں سمنانی رحمۃ اللہ حضور پاک ﷺ کی اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ جب بندہ اپنے رب کی اصلیت کا ایقان حاصل کر لیتا ہے تو وہ حقیقتِ توحید کو دل سے جان جاتا ہے۔

ذکرِ حقیقی میں مشغول رہنے کے نتیجے میں سالک کئی طرح کے تجربوں سے گزرتا ہے جو فنائے ذات کے مراحل پر مشتمل ہیں اور اس عمل میں وہ کئی الوان اور مکاشفات دیکھتا ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ ان روحانی تجربوں کا بیان اس تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں کہ اسے صوفیانہ فکر میں ایک اہم اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان مکاشفات کے بیان سے پہلے وہ سالکین کو دو امور کے بارے میں انتباہ کرتے ہیں۔ پہلا انتباہ تو یہ ہے کہ ذکر میں مشغولیت کے دوران سالک ہرگز عوام الناس کے درمیان نہ جائے کیونکہ باطنی کیفیت میں اس کا کلام ایسے حقائق کا ترجمان ہوتا ہے جو عوام کو معلوم نہیں ہوتے کیونکہ ان کے حقیقی معانی فہمِ انسانی سے ماورا ہوتے ہیں اور یوں لوگ اس پر مجنون ہونے کا گمان کرنے لگتے ہیں۔ دوسرا انتباہ یہ ہے کہ تمام تجربات اور مکاشفات دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں۔ ایسی باطنی تجربہ جو قرآن و سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق نہ ہو محض دھوکا ہے اور سالک کے راستے میں شیطان کا بچھایا ہوا جال ہے۔"

مدارجِ مکاشفات والوان:

جب سالک راہِ سلوک پر پیش قدمی کرتا ہے تو اس کے اندر نورِ ذکر پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے درجہ اور مقام کے مطابق مختلف قسم کے رنگوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جب وہ سبعہ لطائف کے مدارج سے گزرتا ہے تو بتدریج اس نور کی مقدار اور رنگوں کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ مکاشفات اور الوان اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فرمانِ الٰہی کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ٥ (الرحمٰن ۲۲) یہاں موتی سے مراد اسرارِ السرّ ی ہیں جو بحرِ علوی سے حاصل ہوتے ہیں اور مونگے سے مراد، جو بحرِ سفلی سے حاصل ہوتا ہے، قلب کی آتشِ عشق ہے۔

ابتدا میں جو الوان سالک پر ظاہر ہوتے ہیں ان کا تعلق عالمِ ملکوت سے ہوتا ہے۔ وسطِ سلوک میں جو الوان سالک کے قلب پر ظاہر ہوتے ہیں ▪▪ عالمِ جبروت سے متعلق ہوتے ہیں۔ وہ اسرار جو لطیفۂ انانیہ پر نزول کرتے ہیں اور اپنے آپ کو سرّ پر ظاہر کرتے ہیں وہ عالمِ لاہوت سے ہوتے ہیں۔ ان تجلیات کی نوعیت کی روشنی میں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مکاشفاتِ باطنی وجودِ انسانی سے باہر نہیں بلکہ مملکتِ نفس کے اندر ہی موجود ہوتے ہیں۔

سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کا علم حاصل کرنے کے لیے وجودِ روحانی کے سبعہ لطائف کی اقالیم کا سفر طے کرے۔ اس سفر میں سالک کو درجہ بدرجہ ان اقالیم کی نقاب کشائی کرنا ہوتی ہے اور ہر نقاب یا پردہ دس ہزار حجابات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کا ایک مخصوص رنگ ہوتا ہے۔ ان پردوں اور حجابات کو دُور کرنے کی ذیل میں سمنانی رحمۃ اللہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ یہ پردے وجودِ انسانی پر پڑے ہیں نہ کہ ذاتِ الٰہی ان میں مستور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی پردہ یا حجاب مستور یا محجوب نہیں کرسکتا۔ پہلا پردہ عالم طبعی یا جسمانی یا شیطانی کا ہے اور اس کا رنگ کالا اور مکدر ہے۔ دوسرا پردہ نفس کا ہے اور اس کا رنگ باہر سے نیلا اور اندر سے سبز ہے۔ تیسرا پردہ قلب کے غیر مرئی کا ہے اور اس کا رنگ سرخ یا یاقوتی ہے۔ اس کے بعد سرّ کے غیر مرئی کا سفید اور باریک پردہ ہے جس کے بعد رُوح کا زرد رنگ کا پردہ آتا ہے۔ اگلا پردہ خفی کے غیر مرئی کا نورانی اور انتہائی شفاف سیاہ پردہ ہے۔ آخری پردہ غیب الغیوب کا ہے جس کا تعلق لطیفہ حقیہ سے ہے۔ کچھ نے اس پردے کا رنگ سبز بتایا ہے یا پھر یہ بے رنگ ہوتا ہے کیونکہ یہ نورِ خالص سے بنا ہے اور انتہائی خالص،

روشن، لطیف اور حاملِ عظمت وجلالت ہونے کے باوصف کسی رنگ کا حامل نہیں ہوتا۔ ان سات پردوں کے ہٹنے کے بعد جو ستر ہزار حجابات پر مشتمل ہیں سالک حجابِ کبریا تک پہنچ جاتا ہے۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ سالک اپنا ہاتھ نہایت عاجزی سے آستانِ تضرع و زاری پر رکھے تاکہ وہ عالمِ لاہوت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر حضورِ حق میں پہنچ جائے۔ سمنانی رحمۃ اللہ نے سالک کو نظر آنے والے ان الوان اور تجرباتِ باطنی کے بیان میں ایک پورا رسالہ لکھا ہے جس کا نام 'رسالہ نوریہ' یا 'رسالت الانوار' ہے۔ اس رسالے کا انداز شاعرانہ اور تمثیلی ہے۔ اس رنگین طرزِ بیان کے باوجود یہ رسالہ راہِ سلوک کے اہم تجربات کو منظم اور مفصل انداز میں بیان کرتا ہے۔ ذیل کے سطور میں مندرج مکاشفات کے بیان میں میں نے رسالۂ نوریہ کے بیانات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

جب سالک عالمِ جسمانی کے مرئی رخ سے اپنا منہ پھیر لے تو اسے چاہیے کہ عالمِ روحانی کے مرئی پہلو سے بھی منہ پھیر کر عالمِ روحانی کے غیر مرئی کی طرف منہ کرے۔ پہلا پردہ جو یہاں ظاہر ہوتا ہے وہ کالے اور گدلے رنگ کا ہوتا ہے تا آنکہ وہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ذکر کے چقماق کو اپنے قلب کے پتھر سے رگڑے۔ تب اچانک وہ شعلۂ مستور جو اس کے وجود کے اندر ہے ہویدا ہو جاتا ہے اور وہ خود کو حراتی نفس میں کھڑا پاتا ہے۔ وہ اس آگ کو اپنے جسم کے ایندھن سے بھڑکاتا ہے یہاں تک کہ وہ تیز اور روشن ہو جاتا ہے اور مذکورہ بالا گدلا اور مکدر پردہ گہرے نیلے رنگ کا ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہیزمِ وجود اور باقی ماندہ لقمہ ہائے مسرتِ جسمانی کو خشک کرتا ہے تو یہ رنگ اور زیادہ خالص اور شفاف ہو جاتے ہیں اور دھوئیں کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ جب یہ لقمے مزید خالص ہو جاتے ہیں اور صرف عدل ان میں باقی رہ جاتا ہے پھر کوئی دھواں باقی نہیں رہتا اور ایک خوشگوار مہک مشامِ جاں بن جاتی ہے۔ علاوہ بریں رنگین روشنیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور سالک کو ارواح

کی شکلیں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ جملہ تجربات قوتِ ذکر کی برکت اور لقمۂ جاں کو لذاتِ حسی کی رطوبت سے محفوظ رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ سالکِ مبتدی کو یہ تجربات لطیفۂ حسن کی وساطت سے حاصل ہوتے ہیں جو ظلمتِ جسمانی سے نجات پانے کے بعد اس کے سینے میں پیدا ہوتا ہے۔

اس مرحلے پر سرخ، سفید، زرد، سیاہ اور نیلے رنگ کا تفاوت آتشِ ذکر کی قوت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آتشِ ذکر کا جوہر پردے کے عقب سے باہر آئے اور چلا کر کہے ہمہ منم، یعنی میں ہی سب کچھ ہوں۔ یہ ضروری ہے کہ سالک اس مقام پر غرور و عجب کا شکار نہ ہو جائے، کیونکہ یہ ذکر کے محض مبتدی کا درجہ ہے۔ اگر وہ غرور کا شکار ہو جائے تو راہِ سلوک کے اعلیٰ مدارج میں اس کا داخل ہونا ممنوع ہو گا۔ دوسری آگ جو سالک کے راستے میں آتی ہے اس کی ماہیت غیر معین ہے لیکن اس کی نوعیت کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقتِ ذکر، عشق، آرزو، خواہش، غضب، شیطنت اور جسمِ طبعی کی آگ ہے۔ راہِ سلوک میں پیش آنے والی علامات کی روشنی میں ان میں سے ہر قسم کی آگ کو پہچاننا ممکن ہے، لیکن مبتدی کو چاہیے کہ وہ شیخ کی رہنمائی کے بغیر ان میں تفریق کی کوشش نہ کرے کیونکہ شیطان کے مکر کا شکار ہو کر سالک غرور و عجب کا شکار ہو سکتا ہے اور اس صورت میں راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ سالک ہر باطنی تجربہ اپنے شیخ کے آگے بیان کرے تاکہ وہ ان تمام تجربات اور مکاشفات کی صحیح تشریح و تعبیر کرے۔ اگر شیخ اس مرحلہ پر سالک کو حکم دے کہ وہ تمام خیالات و خواطر کو ترک کر دے تو اس عمل میں پیش آنے والی مشکلات سے قطعِ نظر اس کو ضرور ایسا کرنا ہو گا۔ شیخ کی طرف سے ان خیالات و خواطر کو ترک کرنے کے حکم سے سالک کی ان کے ساتھ حد درجہ وابستگی ختم ہو جائے گی۔ اگر سالک اس مرحلے پر شیخ کی حکم عدولی کرے تو وہ راہِ سلوک میں مزید ترقی نہیں کرے گا بلکہ اسے سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔

اس کے بعد جب لذّاتِ جسمانی کے لقموں اور غلاظتِ عصیان سے آلودہ وجود آتشِ ذکر میں مکمل طور پر جل کر فنا ہو جاتا ہے تو نورِ نفس ہویدا ہو جاتا ہے جس کا پردہ خوشگوار نیلے رنگ کا حامل ہے۔ بعدازاں نورِ قلب ظاہر ہو جاتا ہے جس کا پردہ یاقوتی سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ اس نور کے ظاہر ہونے کے ساتھ سالک کے دل میں ایک عظیم باطنی ذوق پیدا ہوتا ہے اور اسے راہِ سلوک میں دوام نصیب ہوتا ہے۔ بعض اوقات تطہیرِ قلب کے ابتدائی مدارج میں سالک اپنے لوحِ دل کو مختلف نقوش کی وجہ سے سیاہ دیکھتا ہے۔ پھر وہ دیکھتا ہے کہ اسے صاف اور ان نقوش سے منزہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ اس پر لفظ اللہ مکمل طور سے حاوی ہے۔ پھر اس کو صیقل کیا جاتا ہے اور محض اللہ کا نام ہی باقی رہ جاتا ہے۔ پھر وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کا لفظ سرخ روشنی سے لکھا گیا ہے، پھر یہ لفظ سفید روشنی سے اور پھر سبز روشنی سے لکھا گیا ہے۔ پھر وہ ایک لوحِ نور دیکھتا ہے جس کا نہ کوئی رنگ ہے اور نہ اس پر کوئی نقش ہے۔ عین اسی لمحے نقوشِ علمِ لدنّی اُس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ علومِ باطنی یا مخفی کے ظاہر ہونے کا عمل ہے۔

اس مرحلے کے بعد نورِ سِرّی ہویدا ہوتا ہے جس کا پردہ سفید رنگ کا ہے۔ اس مرحلے پر سالک کو مسرتِ ظہور کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اگلا مرحلہ نورِ رُوحی کا ہے جو ایک نہایت خوشگوار زرد رنگت کے ساتھ ہویدا ہوتا ہے۔ اس نور کے نظر آنے سے نفسِ سفلی کمزور ہو جاتا ہے اور قلب کو تقویت ملتی ہے۔ اس کے بعد نورِ خفی جس کا حوالہ روح القدس ہے، ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا پردہ اس قدر شفاف اور پُرجلال سیاہ رنگ کا ہے کہ سالک اس کے دیکھنے کے خوف سے ہی فنا ہو جاتا ہے۔ رسالہ نوریہ میں شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''اس سیاہی میں آبِ حیات جلوہ آرا ہو جاتا ہے۔ جو کوئی نورِ پیغمبر کی تابندگی میں خود کو ایک جام پلائے اور اتباعِ پیغمبر کے سائے میں رہے تو مانندِ خضر علیہ السلام

وہ شخص چشمۂ آبِ حیوان پر پہنچ جاتا ہے جو انوارِ صفاتی کا منبع ہے۔ پھر وہ توفیقِ الٰہی کے دریائے علوی سے ایک جام پیتا ہے اور اس شے کا سزاوار بن جاتا ہے جو ربّ الاعلیٰ صفاتِ جمالی و جلالی کے ذریعے اس پر ظاہر فرماتا ہے۔"

جب لطیفۂ خفی لطیفۂ حقیہ کی آمد کا اعلان کرتا ہے تو قوائے جسمانی ونفسانی اس کا یقین نہیں کرتے۔ یہ حالت سالک پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ پردہ ہائے لطائفِ قالبیہ، نفسیہ، قلبیہ، خفیہ، اور روحیہ سے گزر چکا ہوتا ہے اور ان کے مواطن میں قیام کر چکا ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لطیفۂ خفیہ کو اس کے پاس بھیجتا ہے جو اسے اٹھالیتا ہے اور خفی کی مملکت میں داخل کر دیتا ہے۔ یہاں سالک کو چاہیے کہ شیخ کے حکم سے فالتو عبادات ترک کرے تا کہ اس مرحلے سے آسانی سے گزر سکے۔ اس مرحلے پر سالک کو چاہیے کہ اعمالِ بدنی اور ذکرِ لسانی ترک کرے کیونکہ اعمالِ بدنی محض اس مرحلے تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتے ہیں۔

غیر واجب اعمال کو ترک کرنے کے علاوہ سالک کو چاہیے کہ وہ اس سیاہی میں رکھے گئے جواہرات کی طرف رغبت کیے بغیر خلوص اور قوتِ قلبی کے ساتھ قدم بڑھاتا جائے۔ اس مرحلے پر جو خوفناک آوازیں سنائی دیتی ہیں یا شکلیں دکھائی دیتی ہیں اسے ان سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے تا کہ نورِ خفی غیر مرئی سمت میں اپنی قوتِ امکانی سے ظاہر ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو خوف انس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اس مرحلے کے تقاضے پورے کرتا ہے تو نورِ مطلق جو خدا تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے، ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کا رنگ سبز ہے اور سبز رنگ حیاتِ شجرِ وجود کی علامت ہے۔

نورِ مطلق کا ظہور صرف جنت میں ممکن ہے، جب اس کے ساتھ دوسرے اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اولاً سالک خود اپنے فنا کے تجربے سے دوچار ہوتا ہے، اس کے بعد اسے

معادیاتی امور کے مناظر دکھائی دینے لگتے ہیں مثلاً یہ کہ کبھی وہ برزخ پر کھڑا ہوتا ہے، یا آسمان ٹوٹ رہا ہوتا ہے، ستارے جھڑ رہے ہوتے ہیں، سورج کی جگہ چاند اور چاند کی جگہ سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے، سیارے مدھم پڑ جاتے ہیں، میزانِ عدل میں اعمال کو تولا جا رہا ہوتا ہے، پلِ صراط پر سے گزر ہوتا ہے، قعرِ دوزخ میں گرایا جاتا ہے یا بمراتب اٹھایا جاتا ہے۔ جب سالک یہ علامات دیکھتا ہے تو اسے جاننا چاہیے کہ وہ خلدِ برین میں ہے۔ پھر اسے چاہیے کہ جمالِ حضورِ حق کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو جائے، اور جملہ ماسوا سے اپنی توجہ ہٹا لے تاکہ ذاتِ مقدس کی تجلی کا ظہور ہو اور وہ سب مناظر جو سالک نے پہلے مشاہدہ کیے اس تجلی کے نور سے منور ہو جائیں گے۔

نورِ خداوندی کا ظہور ہر شے سے ارفع ہے اور یہ بے مثل ہے۔

نورِ خفی کا ظہور سر کے اوپر سے ہوتا ہے اور عالمِ مرئی میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور یہ نور ایسا ہے کہ اپنے ظہور کے نقطۂ آغاز پر ہی سالک کو فنا کر کے رکھ دیتا ہے۔

نورِ روح کی شدت نورِ آفتاب سے زیادہ ہے اور عموماً اس کا ظہور پشت کی طرف سے ہوتا ہے اگرچہ بعض اوقات یہ دائیں یا بائیں جانب سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

نورِ سرّ بھی نورِ روح سے مماثل ہے لیکن یہ روشن تر اور لطیف تر ہے۔ اس کا ظہور سالک کی مخالف جانب سے ہوتا ہے اور اس کی آنکھوں کے راستے اس کے بدن میں داخل ہوتا ہے اور اسے فنا کر دیتا ہے۔ اور جب سالک اس فنا سے واپس آتا ہے تو وہ اپنے اندر بہت سا ایسا علم موجود پاتا ہے جو اس سے قبل اس کے پاس نہیں ہوتا۔ جب یہ نور اس کی آنکھوں میں پڑتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء میں نفوذ کر جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو شفاف اور نورانی پانی کی مانند دیکھتا ہے کیونکہ اس کی جلد اور اس کا لباس بھی منور ہو جاتا ہے۔

نورِ قلب نورِ ماہتاب کے مماثل ہے۔ اس نور کا ظہور سالک کے بائیں جانب سے

ہوتا ہے اور اسے فنا کر دیتا ہے۔ اس عالم میں قلب کی مساعی کم ہو جاتی ہیں اور سالک کو عجیب انوار اور احوال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

نورِ نفس سالک کو گھیر لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسے صیقل شدہ دروازے یا کھڑکی کی ہے جس پر سورج کی چمک پڑ رہی ہو اور وہاں سے یہ روشنی منعکس ہو کر کسی دیوار پر پڑ رہی ہو۔ نورِ نفس میں قوتِ فنا موجود نہیں ہوتی بلکہ یہ محض مرئی اشیاء کو منور کر دیتا ہے۔ اس مرحلے پر سالک کو دیگر انوار بھی نظر آتے ہیں جیسے شمع، چراغ یا قندیل کی روشنی جو اپنے مدارجِ حصول کے مطابق انوارِ طبقاتِ انس و جن کی نمائندگی کرتے ہیں۔

سالک ابتدا میں جو آگ کی چنگاریاں دیکھتا ہے وہ دراصل اس کے اپنے وجود کے آتشی اجزا میں سے گزرنے کی علامت ہے۔ اسی طرح سالک کا ہوا میں سفر وجود کے بادی اجزا میں سفر کی نشاندہی کرتا ہے۔ دریا اور سمندر میں تیراکی یا سطحِ آب پر چلنا سالک کے اپنے وجود کے آبی اجزا میں سفر کی وجہ سے ہے۔ گلیوں، مکانوں اور دیواروں کے اوپر سے اڑنا سالک کے اپنے وجودِ جسمانی کے خاکی اجزا میں سفر کی نشانی ہے۔ جوں جوں سالک کے وجود کی لقمہ ہائے لذتِ حسّی کی ظلمت سے تطہیر ہوتی جاتی ہے اسے خالص، سریع الحرکت اور خوبصورت رنگوں کی آگ، نیز روشن فضا، صاف و شفاف پانی، کھلی کھلی گلیاں، صاف اور شاندار محلات، خوبصورت قالین اور شاندار ضیافتیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

اگر سالک جسمِ باطنی کو لذتِ حسی کے لقموں اور خود غرضانہ خواہشاتِ شہوانی سے آلودہ کرے تو وہ مذکورہ بالا مناظر کے برعکس خوفناک اور تباہ کن آگ اور دھوئیں کے مرغولے دیکھتا ہے جن میں وہ گرتا ہے اور بھسم ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اسے بھٹی میں ڈالا گیا ہے یا وہ طوفانی ہوائیں، بجلی کا چمکنا، کوئی خوفناک صورت حال یا ہولناک اندھیرے دیکھتا ہے جن میں اسے محبوس کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر خوفناک

مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں مثلاً گندے اور آلودہ پانی میں ڈوبنا، یا تنگ و تاریک گلیاں، یا تباہ حال، غلاظت بھرے مقامات دیکھتا ہے۔ جب بھی سالک ان ویرانوں سے فرار کی کوشش کرتا ہے تو بلند و بالا دیواریں چاروں طرف سے اسے گھیر لیتی ہیں۔ وہ ریتلی پہاڑیاں دیکھتا ہے جن پر وہ بمشکل تمام چڑھنے کی کوشش کرتا ہے یا عمیق اور تاریک کھائیاں دیکھتا ہے جن میں وہ گرتا ہے۔ اس مرحلے پر خوفناک اور موذی درندے اور جانور جیسے سانپ، بچھو، شیر، چیتا، ریچھ، سؤر وغیرہ نمودار ہو جاتے ہیں اور سالک کو ڈستے اور بھنبھوڑتے ہیں۔

اس مرحلے سے فرار کا دارومدار ان صفاتِ نفسانی سے چھٹکارا پانے پر ہوتا ہے جو بدی کی طرف راغب ہوتی ہیں۔ جس قدر سالک لقمہ ہائے لذّتِ حِسّی کی ظلمت کو لقمہ ہائے صدق کی پاکیزگی اور شفافی سے تبدیل کرنے کے قابل ہوگا اسی قدر صفاتِ ذمیمہ صفاتِ حسنہ سے مبدل ہوں گی اور مذکورہ بالا خوفناک اور مکریہہ المنظر شکلوں کی جگہ خوشگوار مناظر اور اشکال مثلاً ہرن اور خوش رنگ اور خوش الحانؒ پرندے نظر آئیں گے۔ اس قلبِ ماہیت کا شعور حاصل کرنے کے لیے سالک کو مذکورہ خوفناک مناظر مثلاً بچھو، آگ اور کاٹھ کباڑ وغیرہ کی حقیقت کا شعور حاصل ہونا ضروری ہے۔ ان بظاہر خوفناک دنیوی مناظر کے اندر دراصل حقائق الحوریہ والخلدیہ اور عنایاتِ ابدی مستور ہو سکتے ہیں۔

جب سالک راہِ سلوک پر مزید پیش قدمی کرتا ہے تو ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جب حیوانی شکلوں کی بجائے انسانی شکلیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس وقت سالک خود کو حقیقت کے حسبِ حال ایک روحانی یا باطنی مسافر کی شکل مین دیکھتا ہے اور اچانک لقمہ ہائے حقیقت کی پاکیزگی اور خوبصورتی دوچند ہو جاتی ہے۔ عالمِ مرئی میں غیر مرئی کے حسن کی ظاہری علامت سالک کا حسنِ کردار ہوتا ہے۔ اس مرحلے سے ارتفاع پانے کے بعد انسان کی تاریک مخفی شخصیت روشن ہو جاتی ہے اور سالک نورِ مجسم بن جاتا ہے۔ اس مرحلے پر سالک لطیفۂ انائیہ کی حقیقت کی طرف صعود کرتا ہے اور بدنِ مکتسب تا بہ ابد اس کے ساتھ رہتا ہے۔

فنا اور قیامت:

سالک کے سفرِ روحانی یا باطنی کا ایک پہلو اس کا فنا ہونا اور پھر قیامت میں محشور ہونا ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ فنا اور قیامت کی اصطلاحات کو ایک معنی میں استعمال کرتے ہیں اگرچہ ان دونوں میں پیش آنے والے مظاہر کی نوعیت قطعی یکساں نہیں ہے۔

فنا کی اصطلاح عام صوفیانہ تصور کے مطابق صوفی کی فنائے ذات کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ یہ فنا چار مختلف مدارج میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔

۱۔ ابتدائے سلوک میں فنا باالذکر پیش آتی ہے۔

۲۔ وسطِ سلوک میں فنا من الذکر کا مرحلہ آتا ہے۔

۳۔ آخرِ سلوک میں فنا فی الذکر کا تجربہ ہوتا ہے۔

۴۔ آخری مرحلے پر فنا فی لمقصد الذکر ہے جو عالمِ علوی میں دخول کی علامت ہے۔

فنا کے اس آخری مرحلے کے بعد سالک کو خدا تعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ مقامِ عبدیت حاصل ہوتا ہے جو تمام مقامات و مدارج سے بڑھ کر عظیم الشان ہے۔

فنا کے ان مدارج کا بیان ذکر کے سیاق و سباق میں ہوا ہے۔ دیگر جملہ معاملات میں فرد کے فنا پذیر ہونے اور دوبارہ محشور ہونے کے لیے سمنانی رحمۃ اللہ نے فنا کی بجائے قیامت کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ بعض مقامات پر آپ نے فنا یا قیامت کی بجائے موت کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے خاص طور پر انسانی تجربے میں آنے والی تین طرح کی اموات یعنی موتِ اختیاری، موتِ اضطراری اور یوم الموعود الاکبر العظیم جو جملہ نوعِ انسانی کی اجتماعی موت پر مشتمل ہے، کا ذکر ملتا ہے۔ ان اموات میں سے ہر ایک کے بعد ایک قیامت کا مرحلہ آتا ہے۔ ان میں پہلی قیامت قیامتِ صغریٰ ہے جو موتِ اختیاری کے نتیجے میں برپا ہوتی ہے، جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا میں اس جانب اشارہ ہے۔ دوسری قیامت قیامتِ وسطیٰ ہے جس کا تذکرہ کی

آنحضرت ﷺ کی اس حدیث میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مرا اس کی قیامت واقع ہوگئی۔ تیسری قیامت یعنی قیامت عظمیٰ وہ قیامت ہے جو جملہ مخلوق پر وقوع پذیر ہوگی۔ حقیقت کی نوعیت اور ثمرِ ریاضت کو ہر شخص کے لیے عیاں کر دیا جائے گا چاہے وہ قیامتِ وسطیٰ میں ہو یا عظمیٰ میں۔ تاہم اللہ کے نیک بندے موت سے قبل ہی اس کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور فنا حاصل کرنے کے لیے خود کو عبادات و ریاضات میں ہمہ تن مشغول رکھتے ہیں۔ اسی کا نام موتِ اختیاری ہے جس کا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

طبعی موت سے پہلے موتِ اختیاری کی منزل حاصل کرنا ہر عبادت و ریاضت کا بنیادی ہدف ہے۔ اس منزل کے حصول کے بعد ہی علم حقیقی اور حضورِ خداوندی میں قبولیت ممکن ہوتی ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک موتِ اختیاری فنا اور قیامت کے ایک سلسلے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید میں اس کا ذکر القیامۃ، الطامۃ، الصاخۃ، الحاقۃ، الغاشیۃ، الساعۃ اور الواقعۃ جیسی اصطلاحات کے ذریعے ہوا ہے۔ یہ اصطلاحات جسمِ روحانی کے مختلف مدارج کے ساتھ مربوط ہیں۔

پہلی قیامت جسم کی ہے جسے قرآن نے القیامۃ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس کے بعد قلب اور خفی کی قیامتیں ہیں جنہیں الساعۃ اور الحاقۃ کہا گیا ہے۔ اگلی قیامت روح کی ہے جس کو الواقعۃ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں محیر العقول قسم کے مکاشفات پیش آتے ہیں جیسا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اس قیامت کی شدت سے پہاڑ ہل جاتے ہیں، زمین لرزنے لگتی ہے، اور عزتِ حضرتِ حق کی آندھی محبت اور شوق کے شعلوں کو بھڑکاتی ہے اور آبِ عقول رزقِ خاک بن جاتا ہے جبکہ سالک کو ایسا علم عطا ہوتا ہے جس سے وہ پہلے بے خبر ہوتا ہے۔

آخری قیامت سِرّ کی قیامت ہے جسے الآزفۃ کہتے ہیں۔ اس کی شدت اور خوفناکی کا یہ عالم ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی اس کی رونمائی پر قادر نہیں۔ یہ قیامت حضرتِ حق کے قریب ترین ہے اور اس کے وقوع پذیر ہونے کے بعد سالک لطیفۂ انانیہ کا درجہ حاصل کرتا ہے اور ابدی طور پر حضورِ حضرتِ حق میں مقیم ہو جاتا ہے۔ ☆

باب ہشتم

تصنیفاتِ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ سفادی نے اپنی 'کتاب الوافی بالوفایت' میں لکھا ہے کہ آپ نے تین سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ (آپ کی معلوم تصانیف کی تعداد ۱۵۴ ہے جن میں سے ۷۹ تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔) آپ کی تصانیف میں تفسیر، رسائلِ متفرقہ اور مکاتیب شامل ہیں۔ دولت شاہ سمرقندی نے آپ کے ایک رسالے 'مفتاح' کے حوالے سے آپ کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

''میں نے راہِ تصوف کے بیان میں ہزاروں دفتر سیاہ کیے ہیں اور اپنی آبائی جائداد اور خاندانی ورثے سے ایک لاکھ دینار صوفیہ کے لیے وقف کیے ہیں۔''

سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر تصانیف عربی زبان میں ہیں، اگرچہ آپ نے اپنی مادری زبان فارسی کو بھی استعمال کیا۔ تکنیکی لحاظ سے اہم ضخیم تصانیف کے لیے آپ نے عربی زبان کو پسند فرمایا ہے جبکہ غیر رسمی تصانیف کے لیے، جو زیادہ تر رسائل پر مشتمل ہیں ہے آپ نے فارسی زبان کو ترجیح دی ہے تاکہ قارئین کی ایک کثیر تعداد ان سے مستفید ہو سکے۔

سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ نگارش ان کے عہد کی نمائندگی کرتا ہے۔ آپ نے اپنے دور کے رجحان کے مطابق عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں مسجع اور مقفیٰ نثر کا استعمال کیا ہے۔ آپ کو فارسی زبان میں اظہار کی زیادہ سہولت تھی لیکن مرکب جملوں اور بے ربط تراکیب کی وجہ سے آپ کی فارسی نثر کا ترجمہ مشکل ہے۔ آپ کے عربی رسائل کے مطالعے سے اس زبان پر آپ کے عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں میں جا بجا عربی اشعار اور ضرب الامثال کا استعمال کیا ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ کی تصانیف سے متعلق معلومات سوانحی کتابوں اور تذکروں سے فراہم ہوتی ہیں۔ بہت سی تاریخی اور صوفیانہ کتب میں بھی آپ کی تصانیف کا حوالہ ملتا ہے۔ آپ نے خود بھی ایک نہایت قابلِ قدر مختصر رسالہ 'مطاف الاشرف' کے نام سے لکھا ہے جس میں آپ کی عربی تصانیف کی ایک جزوی فہرست موجود ہے۔ آپ کے بعض رسائل محفوظ نہیں اور آپ سے منسوب تصانیف کی موجودہ فہرست کو مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

آپ کی تصانیف کی کتابیات بہت سے محققین نے مرتب کی ہیں جن میں عبد الرفیع حقیقت اور نظیف صہیونگلو کے نام زیادہ اہم ہیں۔ آپ کی تصانیف کی مندرجہ ذیل فہرست تا حال مرتب پانے والی فہرستوں میں جامع ترین ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کی تصانیف کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے دو حصوں میں آپ کے بڑے اور چھوٹے رسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں آپ کی مکاتیب کی فہرست ہے۔ اس کے بعد آپ کی ایسی تصانیف کی فہرست ہے جو معدوم ہو چکی ہیں۔ پانچویں حصے میں آپ کی وہ عربی تصانیف شامل ہیں جو 'مطاف الاشرف' میں مندرج ہیں۔ آخر میں آپ کی تفسیر 'نجم القرآن' کے جملہ دستیاب نسخوں کی فہرست دی گئی ہے۔ یہی وہ تصنیف ہے جس سے ہم نے افکار سمنانی رحمۃ اللہ کے مطالعے میں مدد لی ہے۔ پہلے دو حصوں میں ہم نے شیخ رحمۃ اللہ کی تصانیف کو ان کے معروف ترین ناموں کے علاوہ دیگر غیر معروف ناموں کے ساتھ درج کیا ہے۔ اس کے بعد دستیاب نسخوں کے مقامات کی نشاندہی کے علاوہ حسبِ موقع موضوعِ بحث کا بیان بھی لکھا ہے۔ (بخوفِ طوالت ترجمے میں نسخوں کی تفصیلات سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔) پہلے حصے کے علاوہ جہاں تصانیف کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے، رسائل کے نام زمانۂ تصنیف کے مطابق درج کیے گئے ہیں۔ جن تصانیف کا زمانۂ تصنیف معلوم نہیں انہیں ابجدی ترتیب سے درج کیا گیا ہے۔

۱۔ مبسوط تصانیف:

سمنانی رحمۃ اللہ کی تصانیف میں سے گیارہ ایسی ہیں جو شرح وبسط سے لکھی گئی ہیں اور جو شیخ رحمۃ اللہ کی حیات وتعلیمات کو سمجھنے کے لیے اہم ہیں۔ ان میں سے آٹھ تصانیف عربی میں، دو فارسی میں اور ایک ہر دو زبانوں میں ہے۔

۲۔ تفسیر نجم القرآن:

یہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی تفسیرِ قرآن ہے اور آپ کے افکار وتعلیمات کا اہم ترین ماخذ ہے۔ چونکہ میرے مطالعے کی بنیاد زیادہ تر اسی تصنیف پر ہے اس لیے اس کے بارے میں خصوصی بحث آخر میں کی جائے گی۔

۳۔ العروہ لاھل الخلوہ والجلوہ (عربی وفارسی):

دیگر نام:

۱۔ عروۃ الوثقیٰ۔

۲۔ کتاب العروہ۔

۳۔ العروہ لاھل الخلوہ والجلوہ فی ما یجیب الاعتقادیہ۔

۴۔ العروہ الوثقیٰ لاھل التقیٰ۔

۵۔ صفوۃ العروہ۔

۶۔ مشارع ابواب القدس ومراطع اصحاب الانس۔

موضوع:

العروہ سمنانی رحمۃ اللہ کی حیات وافکار کے مطالعے کے لیے بیش قیمت کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلے عربی میں لکھی گئی۔ اس کی تصنیف کا آغاز رمضان ۷۲۰ھ میں صوفی آباد خداداد میں ہوا اور ۲۳ محرم ۷۲۱ھ کو مکمل ہوئی۔ اسی سال شیخ رحمۃ اللہ نے اس کتاب کی نظر ثانی اپنی

نگرانی میں کروائی اور ۷۲۲ھ میں ایک تیسرا اور حتمی مسودہ تیار ہوا۔ باور کیا جاتا ہے کہ کتاب کا فارسی ترجمہ شیخ رحمۃ اللہ کی وفات کے کچھ عرصے ہی بعد آپ کے کسی شاگرد نے کیا۔ اس کتاب کا ایڈیشن جو عربی و فارسی دونوں متون پر مشتمل ہے نجیب مائل ہروی کی سعی و اہتمام سے چھپ چکا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

استنبول، لندن، تہران، دکن، رامپور، مشہد، پیٹرز برگ۔

۴۔ تبیین المقامات وتعیین الدرجات (عربی):

دیگر ممکنہ نام:

۱۔ فضل الطریقت۔ ۲۔ فضل الشریعت۔

موضوع:

اس کتاب کے قاہرہ کے نسخے میں راہِ سلوک کے عام سالک کے لیے سو مقامات اور ہر مقام کے تین درجات اور قطب کے لیے ایک آخری درجے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ہر درجے کو تین احوال پر تقسیم کیا گیا ہے جو ابتدائی، وسطی اور آخری ہیں۔ یہ جملہ مقامات و درجات بتدریج طے ہوتے ہیں اور سالک اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مرشد کی رہنمائی کے بغیر ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اس کتاب کا ذکر 'مطاف الاشرف' میں موجود ہے جس سے اس کا زمانۂ تصنیف ۲۸ صفر ۷۱۴ھ سے قبل کا معلوم ہوتا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، استنبول۔

۵۔ فصول الاصول (فارسی):

دیگر ممکنہ نام:

۱۔ اصول الاسلام والدین علیٰ زبدۃ الحقائق والیقین۔

موضوع:

یہ رسالہ تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصے میں ایمان کے بنیادی ارکان کی ظاہری تعبیر پیش کی گئی ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک ایمان کے بنیادی شرائط میں تمام پیغمبروں، آسمانی کتابوں، منزل، صراط، میزان، حشر ونشر، وجودِ ملائک و جن، اور جنت میں لقائے خداوندی پر یقین رکھنا شامل ہے۔ اس کے بعد ایک باب اصول دین پر ہے جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کا بیان اہم فقہا اور صوفیہ کے ارشادات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ جہاد کا بیان آپ جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر دونوں کی صورت میں کرتے ہیں۔ تیسرا حصہ تصوف کے مبادی پر مشتمل ہے جس میں شرائطِ خلوت، ذکر اور سماع کا تفصیلی بیان ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سمنانی رحمۃ اللہ نے کتاب کے نظر ثانی شدہ نسخے کو 'فصول الاصول' کا نام دیا۔ 'فرحت العالمین' کی ایک وصیت اور 'آداب السفرہ' میں اس کتاب کا ذکر 'مالا بدہ' کے نام سے کیا گیا ہے، جبکہ دوسری طرف فصول الاصول کے نسخۂ قاہرہ میں آداب السفرہ کا ذکر موجود ہے۔ یہ کتاب بھی ہروی کے زیر اہتمام 'مالا بدہ منہ فی الدین' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، استنبول۔

۶۔ کتاب القدسیۃ (عربی):

یہ کتاب جس کا ایک نسخہ سمنانی رحمۃ اللہ کے مرید علی رومی کے پوتے ضیاء الدین ملاطی کا صوفی آباد میں صفر ۷۸۰ھ میں نقل کردہ استنبول میں موجود ہے، دراصل ۲۴ رسائل کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر ایک کے نام میں ایک جگہ کا نام اور 'قدسیہ' کا لفظ ہے، جو یہ ہیں:

قدسیہ بغدادیہ (سات رسائل)، قدسیہ بغدادیہ الھر ولیہ، قدسیہ ہرولیہ بغدادیہ،

قدسیہ سمنانیہ، قدسیہ سمنانیہ سکاکیہ (دو رسائل)، قدسیہ سکاکیہ (تین رسائل)، قدسیہ صوفی آبادیہ (تین رسائل)، قدسیہ راحت آبادیہ (تین رسائل)، قدسیہ سبزواریہ، اور قدسیہ اسلام آبادیہ۔

ان میں سے صرف چار رسائل میں نفسِ مضمون کا ذکر ہے جو الفاظ میں ہوا ہے 'فی البیان الطائف والقوۃ فی الوجود فی شرح موقف من المواقف الآثاریۃ'۔ ایک نسخہ قدسیہ سکاکیہ کو 'مسمیٰ فی الغیب بالجوامع الکلم والصوامع الحکم' کا نام دیا گیا ہے۔

۷۔ بیان الاحسان لاھل العرفان (عربی):

دیگر نام:

بیان الاحسان لاھل الایقان۔

موضوع:

یہ رسالہ ترتیب اور موضوع کے اعتبار سے العروہ سے بہت مماثل ہے اور ۱۹ رمضان ۷۱۳ھ کو صوفی آباد خداداد میں مکمل ہوا ہے۔ شاید یہ العروہ کا ابتدائی مسودہ ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، لندن، استنبول، تہران۔

۸۔ الفلاح لاھل الصلاح:

دیگر ممکنہ نام:

۱۔ رسالۂ فلاح۔ ۲۔ کتاب الفلاح۔

موضوع:

اسلامی عقائد اور طرزِ حیات پر مشتمل اس ضخیم کتاب کی سعید نفیسی کے مطابق تین جلدیں ہیں اس کا واحد نسخہ محمد بن الحسین بن الحسن الاصفہانی السمنانی کا ۲۹ شعبان ۷۳۵ھ

میں نقل کردہ ہے۔ کتاب نے اسے اپنی خودنوشت کے ساتھ جمع کر دیا۔ اس کتاب کا ذکر 'مطاف الاشرف' میں موجود ہے چنانچہ اس کا زمانہ تصنیف ۲۸ صفر ۱۴ ۷ھ سے قبل کا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ ڈوبلن۔

۹۔ الوارد الشاہد الطارد بشبہات المارد (عربی):

دیگر نام:

۱۔ الوارد الطارد بشبہات المارد۔

۲۔ الوارد الشاہد الطارد لصیحات المارد۔

۳۔ مدارج المعارج فی الوارد الطارد بشبہات المارد۔

۴۔ مدارج المعارج۔

۵۔ المدارج والمعارف۔

موضوع:

یہ تصنیف چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول میں افکارِ ابنِ سینا سے بحث کی گئی ہے۔

باب دوم میں روح کے متعلق محققین کے بیانات شامل کیے گئے ہیں۔

باب سوم میں لطائف الانسانیہ کا بیان ہے۔

باب چہارم جملہ طرائق میں سے طریق الحق کے بیان پر مشتمل ہے۔

پہلے تین ابواب فلسفیانہ ہیں۔ چوتھے باب میں ان واقعات اور قرائن کا بیان ہے جو سمنانی رحمۃ اللہ کے حضرت نورالدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کی بیعت کا باعث بنے۔ اس باب میں شیخ رحمۃ اللہ کی سوانح کے متعلق بعض قیمتی معلومات شامل ہیں۔ یہ رسالہ ۶۹۹ھ کے لگ بھگ مکمل ہوا جب

شیخ چالیس برس کے تھے کیونکہ اس کتاب میں 'قواعد العقائد' کا ذکر موجود ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

تین نسخے استنبول میں موجود ہیں۔

۱۰۔ کتاب قواطع السواطع (عربی):

دیگر نام:

۱۔ رسالہ فی قواطع السواطع۔ ۲۔ سواطع القواطع۔

موضوع:

سمنانی رحمۃ اللہ کے صوفیانہ افکار پر مشتمل اس کتاب کے بارہ ابواب ہیں۔ یہ ۷۰۳ھ کی تصنیف ہے اور اسے تھیکسٹن نے ترتیب دیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، استنبول۔

۱۱۔ کلیاتِ دیوانِ شاعری (فارسی و عربی):

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ نے فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے جس کے نمونے تفسیر نجم القرآن سمیت آپ کی تصانیف میں جا بجا ملتے ہیں۔ آپ کا دیوان آپ کے شاگرد منہاج بن محمد السرائی نے مرتب کیا۔ اس دیوان کی بعض غزلیات عبدالرفیع حقیقت کی 'مخانہ وحدت' میں شامل ہوئی ہیں۔ حقیقت ہی نے دیوان کے نسخۂ پیرس کو شائع کیا ہے۔

چھاپی نسخے میں عربی اور فارسی کے ۳۶۴۸ اشعار شامل ہیں جبکہ دو تہائی سے زیادہ اشعار فارسی کے ہیں۔ دیوان ۱۸ قصائد، ۲۵۵ غزلوں، ۵۴۱ رباعیات، ۱۰ مثنویوں، اور ایک ترجیع بند کے علاوہ بعض مختصر نظموں پر مشتمل ہے۔ عربی کے تمام اشعار غزلیات کی شکل میں ہیں۔

سمنانی رحمۃ اللہ کا قلمی نام 'علا' بہت سی فارسی نظموں اور ایک عربی نظم میں استعمال ہوا ہے۔ ان نظموں میں آپ کے مخصوص نظریۂ حیات کی موجودگی اور آپ کے عہد کے واقعات، اشخاص اور اماکن کی طرف اشاروں کی موجودگی میں اس دیوان کی شیخ رحمۃ اللہ کی تصنیف ہونے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

دستیاب قلمی نسخے:

نسخۂ پیرس ونسخۂ بودلین آکسفورڈ برطانیہ۔

۱۲۔ چہل مجلس شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ (فارسی):

دیگر نام:

ا۔ فوائد۔	۲۔ رسالہ اقبالیہ۔
۳۔ رسالہ مجالس۔	۴۔ مجالسِ اربعین۔

مضمون:

یہ شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کے ان ارشادات کا مجموعہ ہے جسے آپ کے شاگرد اقبال بن سابق سیستانی نے جمع کیا۔ یہ کتاب شیخ رحمۃ اللہ کی زندگی کا سوانحی ماخذ ہونے کی وجہ سے زیادہ اہم ہے۔ سیستانی نے دو مجموعے چہل مجلس (یا مجالس) اور فوائد کے نام سے مرتب کیے جنہیں بعد میں یک جا کر دیا گیا۔

چہل مجلس کے تین چھابی نسخے موجود ہیں۔

پہلا نسخہ عبدالرفیع حقیقت کا مرتب کردہ ہے، یہ ۵۹ مجالس پر مشتمل ہے اور کمتر معیار کا حامل ہے۔ اس نسخے کی کمزوری پر نجیب مائل ہروی نے اپنے 'العروہ' کے مقدمے میں بحث کی ہے۔ دوسرا نسخہ ہروی کا ہے جو صحیح ترین نسخہ ہے۔ ایک تیسرا نسخہ جسے تھیکسٹن نے مرتب کیا برٹش لائبریری اور دارالکتب کے نسخوں پر مبنی ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

تہران، نسخۂ کیمبرج برطانیہ، کلکتہ، قاہرہ، نسخۂ برٹش میوزیم لندن، نسخۂ آکسفورڈ برطانیہ، پشاور، لاہور وغیرہ۔

ب۔ مختصر کتب و رسائل:

۱۳۔ رسالۂ سرّی نامہ (فارسی):

دیگر ممکنہ نام:

سر جواز السماع۔

موضوع:

یہ رسالہ ذکر اور سماع کے اثر و جواز کے بارے میں ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے نزدیک سماع مبتدی کے لیے خطرناک ہے۔ اپنے نظریے کے حق میں آپ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا مسلک پیش کیا ہے۔ راہِ تصوف میں قدم رکھنے کے بعد لکھا جانے والا آپ کا یہ پہلا رسالہ ہے اور غالباً یہ آپ کی اولین تصنیف ہے جس کا زمانۂ تصنیف ۶۸۷ھ ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، ترکی۔

۱۴۔ رسالہ در تحقیق انانیت (فارسی):

دیگر نام:

مجمل الصنائع الانائیہ فی بیان اللطیفہ الانائیہ۔

موضوع:

لطیفۂ انائیہ کے بارے میں شیخ رحمۃ اللہ کے بیان پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اہم ہے۔ زمانہ تصنیف رجب ۶۹۹ھ ہے اور اسے لینڈولٹ نے شائع کیا ہے۔

۱۵۔قواعد العقائد (عربی):

دیگر نام:

فوائد العقائد۔

موضوع:

یہ رسالہ تاج الدین محمد بن ابوالقاسم محمد القشیری کے لیے رجب ۶۹۹ھ میں لکھا گیا۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ قاہرہ۔

۱۶۔وارد الشّوارد (عربی):

دیگر نام:

مقالاتِ موارد الشوارد۔

موضوع:

سو وارد میں ترتیب دیے گئے صوفیانہ اور مذہبی بیانات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ ۴ رجب ۷۰۱ھ کو مکمل ہوا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

استنبول، قاہرہ۔

۱۷۔فرحت العاملین وفرجت الکاملین (فارسی):

موضوع:

یہ کتاب ہروی نے دارالکتب کے نسخے کی بنیاد پر شائع کی ہے۔ ایک دوسرا ایڈیشن تھیکسٹن نے تیار کیا ہے۔

یہ رسالہ سمنانی رحمۃ اللہ کے مرید عزیز الدین دھستانی کی فرمائش پر شعبان ۷۰۳ھ میں لکھا گیا۔ رسالے کی ابتدا میں دھستانی کی صوفیانہ زندگی کا خاکہ ہے پھر ذاتِ احدیت کی نوعیت پر بحث ہے۔ اس کے بعد سالکِ راہِ خدا کے روحانی سفر اور بعض شطحیات کی تشریح ہے اور شطحیات کی بعض ناجائز اور جائز صورتوں کا بیان ہے۔ اس رسالے میں سمنانی رحمۃ اللہ نے راہِ سلوک کے مدارجِ مکاشفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اپنے شاگرد وجیہ الدین ابوالمحاسن عبداللہ کی فرمائش کے مطابق اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ 'حقائق الدّقائق' کے نام سے لکھیں گے۔

اس کے بعد اسمِ اعظم یعنی 'اللہ' پر بحث کرتے ہوئے احادیث اور صوفیائے متقدمین کے اقوال کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ حقیقت کے وہ تمام مکاشفات جو قرآن اور سنت کے مطابق نہ ہوں محض فریب اور دھوکا ہیں۔ اس رسالے کا زیادہ تر مواد العروہ کے ابتدائی حصے سے مماثل ہے اور قرینِ قیاس ہے کہ یہ بھی العروہ کا نا تمام مسودہ ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، ترکی، لندن۔

۱۸۔ ہدیّۃ المسترشدین و وصیت المرشدین (فارسی):

دیگر نام:

رسالہ در باب ذکر۔

موضوع:

مختصر وصیت جس کا زمانہ تصنیف ۷۰۵ھ ہے۔ اسے تھیکسٹن نے شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، لندن، استنبول۔

۱۹۔ ختام المسک (فارسی):

موضوع:

اس رسالے میں طہارت الکبریٰ اور اس کے حصول کے طریقوں کا بیان ہے۔ یہ رسالہ شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی رحمۃ اللہ کی رہائش گاہ پر ۹ ذوالقعدہ ۷۱۲ھ کو مکمل ہوا۔ اسے تھیکسٹن نے قاہرہ اور لندن کے نسخوں کی بنیاد پر شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، ترکی، لندن۔

۲۰۔ رسالہ فی الذکر اسامی مشائخی (عربی):

موضوع:

باور کیا جاتا ہے کہ یہ رسالہ ایک ضخیم تر تصنیف 'کتاب الفلاح لاھل الصلاح' سے نقل کیا گیا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ کے شجرۂ طریقت کے علاوہ آپ کی حیات کے بارے میں بھی اس کتاب میں نہایت قیمتی معلومات موجود ہیں۔ اس رسالے میں ان صوفیا کی ایک فہرست بھی موجود ہے جن سے سمنانی رحمۃ اللہ کی ملاقات ہوئی، نیز بعض صوفیائے متقدمین کے احوال بھی ہیں۔ اس رسالے میں حضرت شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی کا سن پیدائش ۶۳۹ھ درج ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ رسالے کی تصنیف کے وقت آپ کی عمر ۷۳ برس تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ غالباً ۷۱۲ھ میں لکھا گیا۔

دستیاب نسخہ:

نسخۂ قاہرہ۔

۲۱۔ رسالہ فتح المبین لاھل الیقین (فارسی):

دیگر نام:

۱۔ کتاب ہا و رسالہ ہای مفتاح۔ ۲۔ مفتاح۔

موضوع:

یہ رسالہ جواخی عز الدین کی فرمائش پر لکھا گیا سمنانی رحمۃ اللہ کے راہِ تصوف میں قدم رکھنے اوران تجربات کا ذکر ہے جن کے نتیجے میں آپ سلسلۂ کبرویہ میں حضرت شیخ اسفرائنی رحمۃ اللہ سے بیعت ہوئے۔اس رسالے میں خلوت کے مدارج اور غیبات کا بھی ذکر ہے۔ رسالے میں کائنات کی ساخت اور عالمِ روحانی میں منتج ہونے والے مراحلِ تجلیات کا بھی بیان ہے۔

اس رسالے میں ۱۱شوال ۷۱۲ھ کو پیش آنے والے ایک واقعے کا بھی ذکر ہے۔اس رسالے کا تذکرہ 'بیان الاحسان' میں ہوا ہے اس لیے اس کا زمانہ تصنیف شوال ۷۱۲ھ اور رمضان ۷۱۳ھ کے درمیان ہونا چاہیے۔اس رسالے کو نجیب مائل ہروی نے شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، ترکی، تہران۔

۲۲۔مناظر المحاضر لناظرِ الحاضر (عربی):

دیگر نام:

مناظر المحاضر للمناظر الحاضر۔

موضوع:

مریجان مول نے اس کتاب کو فرانسیسی ترجمے کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔یہ رسالہ زیادہ تر نہج البلاغہ کے اقوال پر مشتمل ہے۔اس کا انداز حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی دیگر تصانیف سے مشابہ ہے۔اس رسالے میں آپ نے اہلِ بیت اطہار سے مودت کے اظہار کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ تہران۔

۲۳۔شرح حدیث ارواح المؤمنین:

دیگر نام:

منہاج الحج۔

موضوع:

اس کا ایک نامکمل اور کمزور ادارت کا حامل نسخہ ہروی نے شائع کیا ہے۔ایک دوسرا ایڈیشن تھیکسٹن نے تیار کیا ہے۔اس رسالے میں درج ذیل حدیث سے، جو مادی جسم کے فنا کے بعد مؤمنین کی ارواح کے انجام سے متعلق ہے، بحث کی گئی ہے۔

ان ارواح المؤمنین طیر خضر تعلق فی شجر الجنة٥

یہ رسالہ آپ کے شاگرد عبدالمواہب محسن کی درخواست پر لکھا گیا جس نے اس حدیث کو رضی الدین حسن بن محمد الصغانی لاہوری کی کتاب 'مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ' سے حاصل کیا تھا۔اس حدیث کی دیگر کئی شکلیں اور اس پر بحث اس رسالے میں شامل ہے۔یہ رسالہ صوفی آباد خداداد میں ۳ ذوالقعدہ ۱۰۱۳ھ کو مکمل ہوا۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، لندن، استنبول۔

۲۴۔مطاف الاشرف (عربی):

یہ شیخ رحمۃ اللہ کی اپنی عربی تصانیف کی کتابیات ہے۔شیخ رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ انہیں ایک دن خیال آیا کہ اپنی ان عربی کتابوں کی فہرست بنائیں جو سالکین کے لیے ہدایت کا سامان فراہم کرتی ہیں۔چنانچہ ان کتابوں کے نام بعض ہدایات اور متعلقہ مریدوں کے ناموں کے

ساتھ دیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کس مقصد کے لیے کون سی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔
یہ ۲۸ صفر ۱۴۷ھ کو صوفی آباد خداداد میں مکمل ہوئی۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ استنبول۔

۲۵۔ رسالہ فی تفسیر آیات قرآنیہ فی موضوع الصبر والاحسان (عربی و فارسی):

دیگر نام:

رسالہ فی الایمان والصبر والتقویٰ والاحسان۔

مضمون:

یہ رسالہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں صبر اور احسان کی صوفیانہ تشریح پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ عربی زبان میں شروع کیا گیا لیکن سمنانی کے مرید ابوالمواہب محسن کی اس درخواست پر کہ اسے فارسی میں تحریر کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین مستفید ہوسکیں، آپ نے اسے فارسی میں مکمل کیا۔ شیخ رحمۃ اللہ نے یہ رسالہ صوفی آباد خداداد میں خلوت گزینی کے دوران تحریر کیا اور ۱۴ شوال ۱۴۷ھ کو مکمل ہوا۔ تھیکسٹن نے اسے مرتب کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

مصر، لندن۔

۲۶۔ رسالہ فی حشر الموجودات (عربی):

موضوع:

موضوع بحث یہ ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں، واجب اور ممکن۔ یہ رسالہ غالباً شیخ رحمۃ اللہ کے اپنے قلم سے لکھا گیا ہے اور جمادی الثانی ۷۲۰ھ میں برج احرار صوفی آباد خداداد میں مکمل ہوا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

استنبول۔

۲۷۔رسالہ صدائف الطائف لمن فی بحرالدنیا بکعبۃ القلب طائف (فارسی):

دیگر نام:

حدائق الطائف۔

موضوع:

یہ گراں قدر رسالہ سمنانی رحمۃ اللہ کے مرید ابوالمواہب محسن الاحمدی کی فرمائش پر لکھا گیا ہے اور ۲۰ جمادی الثانی ۷۲۲ھ کو مکمل ہوا ہے۔اس رسالے میں جو غالباً خودنوشت ہے، فارسی جاننے والوں کے لیے سبعہ لطائف،لطیفۂ انائیہ، بدنِ مکتسب اور بدنِ محلول کے حقائق سمجھائے گئے ہیں۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ قاہرہ۔

۲۸۔عِقد درّ الاسرار عَقد عرائس الاخبار:

مضمون:

وجود اور معادیاتی علامتوں سے بحث ہے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کی شرائط خلوت گزینی کی بھی وضاحت ہے۔ یہ رسالہ ٦ جمادی الثانی ۷۲۸ھ میں مکمل ہوا اور اس کا نسخہ غالباً خودنوشت سے نقل کیا گیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۲۹۔ مثال النوّر وقدسیہ ہرولیّہ (عربی):

مضمون:

اس مختصر رسالے میں سبعہ لطائف اور الوان کے مابین تعلق کی وضاحت کی گئی ہے۔

یہ ۲۴ جمادی الثانی ۷۲۹ھ کو مکمل ہوا۔

دستیاب قلمی نسخے:

استنبول۔

۳۰۔ جوہرالاسرار (عربی):

دیگر نام:

۱۔ جواہرالاسرار۔ ۲۔ جوہرالاسرار المربع فی بحر قلوب الابرار۔

موضوع:

کونیات پر مشتمل رسالہ جس میں مفردات العلویہ وسفلیہ کا بیان ہے۔ اس کا ذکر الوارد الشاہد میں آیا ہے چنانچہ ۶۹۹ھ سے قبل لکھا گیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

استنبول، سراجیوو۔

۳۱۔ رسالہ سرّ بال البال لذوی الحال (فارسی):

دیگر نام:

۱۔ رسالہ سرّ البال لذوی الحال الحال۔

۲۔ سرّ بال البال۔

۳۔ رسالہ سرّ بال البال فی اطوار سلوک اہل الحال۔

مضمون:

یہ رسالہ عمر الجاجرمی کے لیے لکھا گیا۔اس میں ایسے روحانی تجربے کا ذکر ہے جو سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کو جمادی الثانی ۷۰۱ھ میں اعتکاف نشینی کے دوران ہوا۔اس میں اصطلاحاتِ تصوف نفس، قلب، سر اور مختلف مراحل کی تجلیات کا ذکر ہے۔ تھیکسٹن اور ہروی نے اسے شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

مصر، استنبول، تہران، لندن۔

۳۲۔شدائق الحقائق وحدائق الحقائق:

دیگر نام:

۱۔ شقائق الحدائق فی شرح حدائق الحقائق فی اشتقاق الجلال۔

۲۔ حقائق الحقائق وشقائق الحدائق۔ ۳۔ شقائق الدقائق وحدائق الحقائق۔

مضمون:

مختصر مگر اہم رسالہ ہے جس میں اصطلاحات کے معنی بیان کیے گئے ہیں اور ہر بیان کو ایک حدیقہ یا باغ کا نام دیا گیا ہے۔فرحت العاملین وفرجت الکاملین میں اس رسالے کا نام حقائق الدقائق آیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

استنبول، سراجیوو۔

۳۳۔رسالہ الاختیار لذوق الاعتبار (عربی):

مضمون:

حروف تہجی خصوصاً حرف الف کی باطنی اہمیت کا بیان ہے۔اس رسالے میں قواطع

السواطع کا ذکر ہے اور خود اس رسالے کا ذکر مطاف الاشرف میں آیا ہے، چنانچہ اس کا زمانہ تصنیف ۷۰۳ھ اور ۲۸ صفر ۷۱۴ھ کے درمیان ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ قاہرہ۔

۳۴۔ بدائع الصنائع (عربی):

مضمون:

صوفیانہ پند و نصائح کا مجموعہ جس میں قرآن پاک کے بکثرت حوالے درج ہیں۔ نجم القرآن اور مطاف الاشرف میں بارہا اس کا ذکر آیا ہے چنانہ زمانہ تصنیف ۲۸ صفر ۷۱۴ھ سے قبل کا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ قاہرہ۔

۳۵۔ نقطہ (فارسی):

دیگر نام:

نقطہ دوائر الوجود لاھل الکشف والشھود۔

مضمون:

حدیث انا نقطہ تحت الباکا بیان ہے۔ زمانہ تصنیف غالباً ۲۸ صفر ۷۱۴ھ سے قبل کا ہے۔

۳۶۔ بلاعنوان (فارسی):

مضمون:

حیات بعد الموت پر آپ کا ایک خطبہ ہے جو آپ نے ۶۹ برس کی عمر میں دیا چنانچہ

زمانہ تصنیف ۷۲۸ھ کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۳۷۔ آداب السفرہ (فارسی):

دیگر نام:

۱۔ آداب السفرہ السفرہ۔ ۲۔ آداب السفرہ۔

مضمون:

اس رسالے میں دسترخوان کے آداب، نیز پکانے، دسترخوان بچھانے اور ہاتھ دھونے وغیرہ کا بیان ہے۔ فصول الاصول میں اس کا ذکر ہے اور اسے ہروی نے شائع کیا ہے۔ اس کا عربی ترجمہ ہو چکا ہے۔

۳۸۔ رسالہ فی العقل والعلم:

مضمون:

اس رسالے میں احادیث کے بکثرت حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ دینی علم عقلی علم سے افضل ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

استنبول۔

۳۹۔ ذکر الخفی المستجب للا جرالوافی (فارسی):

دیگر نام:

۱۔ رسالہ بیان ذکر الخفی المستجب للا جرالوافی۔

۲۔ بیان الذکر الخفی المستجب الا جرالوافی۔ ۳۔ رسالہ فی السلوک۔

مضمون:

یہ رسالہ جملہ سالکین کے لیے ایک وصیت پر مشتمل ہے جس میں ذکر کے موضوع پر پند و نصیحت ہے اور اس بحث کی دلیل کے طور پر قرآن اور حدیث کے دس حوالے لائے گئے ہیں۔ اس رسالے میں جائیداد، خاندان اور تغذیہ کے بارے میں ہدایات درج ہیں۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۴۰۔ رسالہ درّ الدرّ (عربی):

مضمون:

اس رسالے میں عالم الکبیر اور عالم الصغیر کا بیان ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۴۱۔ ھدیۃ المھتدی وھدایت المبتدی (عربی):

دیگر نام:

ھدیۃ المنتھی وھدایت المبتدی۔

مضمون:

سمنانی رحمۃ اللہ کی سوانح عمری کے مطالعے میں یہ رسالہ اہم ہے۔ یہ رسالہ آپ کے کسی مرید کی فرمائش پر لکھا گیا ہے جس میں مختلف دینی مسالک کے درمیان فرق کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس رسالے میں مختلف مذاہب، فرقوں، اور دینی مکاتب فکر کی کمزوریوں کو بیان کرنے کے بعد مذہب صوفیہ کو بہترین مذہب قرار دیا گیا ہے۔ ترقیمہ میں لکھا گیا ہے کہ یہ ایک نسبتاً بڑی کتاب تحیۃ المبتدی وھدایت المنتھی کا خلاصہ ہے۔ اس پر نہ

تو تاریخ درج ہے اور نہ کاتب کا نام، لیکن طرزِ کتابت مندرجِ ذیل تصنیف سے مماثل ہے جس پر کہ زمانۂ کتابت محرم ۷۹۲ھ درج ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۴۲۔حل العقال (فارسی):

دیگر نام:

حل العقال فی تہذیب النفوس۔

مضمون:

اصطلاحاتِ تصوف کا بیان ہے۔ یہ غالباً اسی نام سے لکھی جانے والی عربی کتاب کا سمنانی رحمۃ اللہ کا اپنا کیا ہوا ترجمہ ہے۔ نسبتاً طویل تر کتاب حل العقال فی تہذیب النفوس کچھ مدت بعد لکھی گئی ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ پیرس

۴۳۔حشیہ مرموزات (عربی):

مضمون:

خیال ہے کہ یہ رسالہ صدرالدین ابوالمعالی المظفر الدوائی البغوی کی کتاب المرموزات العشرین پر جزوی تبصرہ ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ تہران۔

۴۴۔ ارشاد المؤمنین (فارسی):

مضمون:

یہ غالباً ایک اجازت ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ حیدر آباد۔

۴۵۔ ارشاد نامہ (فارسی):

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ تہران۔

۴۶۔ رسالہ فی جمع والتفرقہ:

مضمون:

جمع اور تفرقہ کے مضمون پر صوفیائے متقدمین کے اقوال شامل ہیں۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ سراجیوو۔

۴۷۔ لمعات (فارسی):

مضمون:

نظم اور نثر میں پانچ صوفیانہ کتابچوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک کو لمعہ کہا گیا ہے۔ غالباً ان کی اصل ترکی ہے جو ترکی شاعر حقی آفندی کی تالیف ہے اور 'المجموعہ العرفانیہ' نامی کتاب میں شامل ہیں۔ اسے ہروی نے دوبارہ شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ تہران۔

۴۸۔رسالہ مصباح اہل السنّہ (عربی):

دیگر نام:

منہاج البالغین۔

مضمون:

حضرت احمد غزالی رحمۃ اللہ کی کتاب منہاج العابدین الی الجنہ میں مندرج اقوال کا انتخاب ہے۔

۴۹۔رسالہ نوریہ (فارسی):

دیگر نام:

۱۔ رسالۃ الانوار۔

۲۔ نورالنوروسرورالمطلع الاسرارالمستور۔

دستیاب قلمی نسخے:

استنبول،اسلام آباد،تہران،نسخۂ عارف نوشاہی۔

مضمون:

اس اہم رسالے میں سلوک و ریاضت کی راہ میں دکھائی دینے والے انوار کا ذکر ہے۔ یہ رسالہ آپ کے مرید محمد خورد کی فرمائش پر لکھا گیا۔مختلف محققین اسے شیخ شہاب الدین سہروردی، سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ اور شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ سے منسوب کرتے ہیں۔نسخۂ تہران اور نسخۂ اسلام آباد کو بنیاد بنا کر ایک نامکمل نسخہ ہروی نے شائع کیا ہے۔

۵۰۔قدسیہ (عربی):

مضمون:

عالمِ امکان میں موجود اشیاء کا بیان ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۵۱۔قدسیہ (عربی):

مضمون:

قلم ودواتِ علوی کے بارے میں ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۵۲۔قدسیہ (عربی):

مضمون:

حواسِ ظاہری وباطنی سے متعلق ان حقائق پر مشتمل ہے جن کا انکشاف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ پر صوفی آباد خداداد کے برج احرار میں عبادت کے دوران ہوا تھا۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۵۳۔رجال الغیب:

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ ترکی۔

۵۴۔سلوۃ العاشقین وسکتۃ المشتاقین:

دیگر نام:

۱۔ سلوۃ العاشقین۔
۲۔ سلوۃ العاشقین وسکینہ المشتاقین۔
۳۔ سلوۃ العاشقین وسکتۃ المشتاقین۔
۴۔ سکوت العاشقین۔

مضمون:

اس رسالے میں ذکر کی شرائط اور طریقوں کا بیان ہے اور شیخ علی لالا رحمۃ اللہ، شیخ احمد جور پانی رحمۃ اللہ، شیخ مجدالدین البغدادی رحمۃ اللہ، اور شیخ ابوسعید بن ابی الخیر رحمۃ اللہ جیسے صوفیائے متقدمین کے اقوال درج کیے گئے ہیں۔ ہروی نے اس رسالے کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

حیدرآباد، تہران ترکی۔

۵۵۔شرح آداب البحث (عربی):

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ ترکی۔

۵۶۔شرح فصوص الحکم:

دیگر نام:

۱۔ حواشی بر فتوحات۔ ۲۔ مفتوحات الفتوحات۔

مضمون:

ابن عربی کی 'فصوص الحکم' پر سمنانی رحمۃ اللہ کا تبصرہ ایک نہایت بیش قیمت کتاب ہے۔ بدقسمتی سے ایک نامکمل نسخے کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے جس پر کاشانی اور داؤدی قیصری کے کسی شاگرد نے مقدمہ لکھا ہے۔

۵۷۔رسالہ شطرنجیہ (فارسی):

دیگر نام:

رسالہ در اسرار شطرنج۔

مضمون:

شطرنج کی بساط کی علامت استعمال کر کے بعض رموزِ تصوف کا بیان کیا گیا ہے۔ نجیب مائل ہروی نے شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

استنبول، کیمبرج، نسخۂ مؤلف، قاہرہ۔

۵۸۔ شروطِ خلوت:

دیگر نام:

۱۔ رسالہ فی آداب الخلوہ۔

۲۔ رسالۃ التصوف فی آداب الخلوہ۔

۳۔ کتاب آداب الخلوۃ۔

دستیاب قلمی نسخے:

تہران، پیرس۔

۵۹۔ رسالہ فی طبقات الصوفیہ (فارسی):

مضمون:

صوفیا کے پانچ طبقات کا ذکر ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۶۰۔ تذکرۃ الاولیاء اللہ تعالیٰ (عربی):

مضمون:

صوفیائے متقدمین کے ارشادات کا مجموعہ ہے جو شیخ رحمۃ اللہ کا جمع کردہ لگتا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ سراجیوو۔

۶۱۔تذکرۃ المشائخ (فارسی):

مضمون:

سلسلۂ کبرویہ کے ساتھ شیخ رحمۃ اللہ کی وابستگی کے مطالعے کے لیے اہم ہے۔ انزوا و خلوت، صحبات اور خصوصی خرقوں سمیت تصوف کے بہت سے سلسلۂ ہائے خرقہ وخلافت کا ذکر ہے۔ محمد تقی دانشپژوہ نے ادارت کی ہے اور نجیب مائل ہروی نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ پیرس۔

۶۲۔تنبیہ المریدین:

دستیاب قلمی نسخے:

نسخۂ ہائے تاشقند (دو نسخے)۔

۶۳۔وارد (عربی):

مضمون:

اس بات سے بحث ہے کہ صوفی ہونا فقیر ہونے سے بہتر ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۶۴۔وارد (عربی):

مضمون:

اس رسالے میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ ہر شے کے دو رُخ ہوتے ہیں۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۶۵۔رسالۂ واردۂ قدسیہ (فارسی):

مضمون:

مختصر فلسفیانہ رسالہ ہے جس میں عالمِ امکان مظاہر کا بیان ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ قاہرہ۔

۶۶۔وصایۂ اولیاء (فارسی):

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ ترکی۔

۶۷۔وصایہ (عربی):

مضمون:

اس کتاب کے چار ابواب ہیں جن میں سے ہر ایک میں دس وصیتیں ہیں۔ ابواب کی فہرست یوں ہے:

۱۔ متعلق بہ خدمت۔ ۲۔ متعلق بہ عزلت۔

۳۔ متعلق بہ صحبت۔ ۴۔ متعلق بہ رضا و بقا۔

دوسرے باب کی دسویں وصیت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ سالک کس طرح اپنے جاگنے کے اوقات کو گزارے اور کتنی دیر سوئے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ استنبول۔

۶۸۔ زین المعتقد لزین المعتقدِ (فارسی):

دستیاب قلمی نسخے:

قونیہ، لندن۔

۶۹۔ من المعارف (عربی):

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ قاہرہ۔

۷۰۔ بلاعنوان (عربی):

مضمون:

یہ بلاعنوان رسالہ لفظ 'لطیفۃ' سے شروع ہوتا ہے۔ محمد جیران نے اسے نقل کیا ہے اور اواخر محرم ۷۹۲ھ کی تاریخ درج ہے۔ اس رسالے میں اہم صوفیانہ مضامین بیان کیے گئے ہیں جن میں ذاتِ حق کا بیان اور اس کائناتِ مادی کے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے آئینے کے طور پر پیدا ہونے اور اللہ تعالیٰ کے الزمان الآفاقی اور الزمان الانفسی کے پیدا کرنے کا بیان ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

استنبول۔

۷۱۔ بلاعنوان (عربی):

ممکنہ نام:

رسالۃ التوحید و معرفت العلم الدنی۔

دستیاب قلمی نسخہ:

استنبول، ایک مجموعۂ رسائل میں شامل ہے جس پر صفر ۸۳۴ھ کی تاریخ درج ہے۔

۷۲۔ بلاعنوان (عربی):

مضمون:

'کشف' کی اصطلاح کی تشریح ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۷۳۔ بلاعنوان (عربی):

مضمون:

حرف 'الف' کی افضلیت کا بیان ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۷۴۔ بلاعنوان:

مضمون:

اس منتشر رسالے میں قلب اور روح کے سفرِ باطنی کا ذکر ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے تصورِ محبت پر زور دیا گیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۷۵۔ بلاعنوان (عربی):

مضمون:

حیاتِ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض واقعات کے بارے میں معلومات ہیں۔ سوانحی مواد کے علاوہ ان صوفیاء کی ایک فہرست بھی ہے جن سے سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ملے یا جو آپ کے ممنونِ احسان ہوئے۔ تھیکسٹن نے شائع کیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخے:

قاہرہ، استنبول۔

۷۶۔ بلاعنوان (عربی):

دیگر ممکنہ نام:

۱۔ کشف سر التجلی۔ ۲۔ التجلیات۔

مضمون:

ذکر کے دوران پیش آنے والی تجلیات کا ذکر ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۷۷۔ بلاعنوان (عربی):

مضمون:

جسمِ مادی پر ایک مختصر خطبہ ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۷۸۔ بلاعنوان (فارسی):

مضمون:

سلسلۂ کبرویہ کے صوفیائے متقدمین شیخ عمار بدلیسیؒ، شیخ نجم الدین کبریٰؒ اور مجد الدین البغدادی رحمۃ اللہ کے حوالے سے ذکر خفی کے فضائل کا بیان کیا گیا ہے۔

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخۂ استنبول۔

۷۹۔ بلاعنوان (فارسی):

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ تہران، یہ رسالہ تقریباً پچاس صفحات کا ہے اور مظفر صدر نے اس کا آغاز وانجام مطالعہ سمنانی رحمۃ اللہ پر مشتمل اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔

۸۰۔ بلاعنوان:

دستیاب قلمی نسخہ:

نسخہ تہران۔

ج۔ مکاتیب:

ا۔ مکاتیب بہ شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ:

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کا حضرت شیخ نور الدین اسفرائنی رحمۃ اللہ کے ساتھ سلسلہ مراسلت ان دونوں کی ابتدائی ملاقات سے لے کر ۷۱۷ھ میں مؤخر الذکر کی وفات تک جاری رہا۔ ان مکاتیب کی اکثریت کو ہر دو بزرگوں کے تعارفی مطالعے کے ساتھ ایچ لینڈولٹ نے شائع کیا ہے۔ یہ خطوط دو مجموعوں کی شکل میں جن کے نام 'مجموعہ رسائل النور فی شمائل اہل السرور' اور 'کتاب المکتوبات' ہیں۔ دو مزید خطوط جو اس سلسلہ مراسلت کا حصہ ہیں اور برٹش میوزیم لندن میں الگ سے محفوظ ہیں، لینڈولٹ نے شائع کیے ہیں۔ یہ سلسلہ مراسلت سمنانی رحمۃ اللہ کے سفرِ بغداد اور صفر ۶۸۹ھ میں سلسلہ کبرویہ میں شیخ رحمۃ اللہ اسفرائنی کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کے بعد لیکن 'مشارع ابواب القدس' اور 'عروہ' کی تصنیف سے پہلے کا ہے۔

سمنانی رحمۃ اللہ اور اسفرائنی رحمۃ اللہ کے درمیان ہونے والی کچھ اور مراسلت درج ذیل قلمی نسخوں کی صورت میں محفوظ ہے:

نسخۂ برسہ، انقرہ، استنبول (دو نسخے)، قاہرہ۔

۲۔ مکاتیب بنام عبدالرزّاق کاشانی:

ابن عربی کے افکار کے مشہور حامی کے ساتھ سمنانی رحمۃ اللہ کا مکالمہ آپ کے مجموعۂ کتب کا ایک اہم ذیلی حصہ ہے جس سے عقیدۂ وحدت الوجود کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کاشانی رحمۃ اللہ کے ساتھ ہونے والی مراسلت کے سلسلے کے دو خطوط اور دو خطوط کے جوابات کتابخانہ مجلس شوریٰ تہران میں محفوظ ہیں۔ یہ خطوط لینڈولٹ کے تنقیدی مطالعے کے ساتھ جرمن زبان میں شائع ہوئے ہیں۔ اس سلسلۂ مراسلت کے باقی حصے کتابخانہ ملی ملک تہران اور انڈیا آفس لائبریری لندن اور اشرف جہانگیری سمنانی رحمۃ اللہ کی کتاب 'لطائف اشرفی' میں موجود ہیں۔ ان ماخذ میں سے ایک سلسلۂ مراسلت کو ہروی نے شائع کیا ہے۔

۳۔ بنام حسن البلغاری:

ایک سلسلۂ مراسلت سمنانی رحمۃ اللہ اور حسن البلغاری کے درمیان ہے۔ اس کی تاریخ معلوم نہیں مگر یقینی طور پر ۶۹۸ھ میں بلغاری کی وفات سے قبل کا ہے۔

۴۔ جواب مکتوب بنام شیخ عبداللہ:

شیخ عبداللہ آپ کے مرید ہیں۔ اس کا نسخہ کتابخانہ مجلس شوریٰ تہران میں ہے اور ہروی نے اسے شائع کیا ہے۔

۵۔ بنام تاج الدین کرکاری:

دینی اور درباری شخصیت تاج الدین کرکاری کے نام اس خط کے بعض حصے 'روضات الجنان' میں نقل ہوئے ہیں۔

۶۔ بنام علی رامتینی:

اس مراسلت کا خلاصہ 'رشحات عین الحیات' میں موجود ہے۔

د۔ سمنانی رحمۃ اللہ سے منسوب کتب جواب محفوظ نہیں:

۱۔ الفلاح فی مختصر شرح السنۃ:

دیگر ممکنہ نام:

۱۔ مختار شرح السنۃ بغوی۔

۲۔ رسالہ فی الفتوہ۔

۳۔ لب القوت لطالب والوصول الی الحی الذی لا یموت۔

دیگر ممکنہ نام:

لب القوت۔

۴۔ مفاتیح الجنان ومصابیح الجنان:

دیگر ممکنہ نام:

مصابیح الجنان۔

۵۔ المقالات فی التصوف۔

۶۔ موضح مقاصد المخلصین ومفصاخ عقائد المدعین۔

۷۔ مھجۃ التوحید۔

۸۔ المکاشفات المنقذ من الآفات۔

۹۔ واقعات الزافعہ۔

وہ کتب جن کا ذکر صرف سمنانی رحمۃ اللہ کی 'لطائف الاشرف' میں موجود ہے۔

۱۰۔ دقیقہ فی حقیقت السلطنت۔

۱۱۔ فضیح اعتقاد الملحدین وتوضیح رشاد الموحدین۔

۱۲۔ غرائب الرغائب للحاضر والغائب۔

۱۳۔ ابتهاج ذوی المعراج بالسراج الوضاح۔

۱۴۔ رسالہ الانتباہ للنبہ عن اللہ۔

۱۵۔ لب لب ذوی الالباب۔

۱۶۔ مجامع المنافی۔

۱۷۔ مناھج المؤمنین ومباھج المحتبین۔

۱۸۔ منتقد مطلع النقاط وملتقط مجمع اللقات۔

۱۹۔ مستشھدات۔

دیگر ممکنہ نام:

مشاھدات۔

۲۰۔ نصوص جرد الاصطلاحات وفصوص حدود المقامات۔

۲۱۔ ریاض الافکار القدسیہ المرضیہ عن الافکار الانسانیہ۔

۲۲۔ تحذیر ذوی التحر عن الاشتغال بمبیع الاسر دون الامر والقناعۃ بالیسیر عن الکثیر۔

۲۳۔ تخلیص النفس عن سجن الحدس۔

۲۴۔ رسالہ الوقوف بین یدی الرب الرؤف العطوف۔

۲۵۔ الظنون التی تعتی من فنون الجنون۔

سمنانی رحمۃ اللہ کی تفسیرِ قرآن:

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ کی تفسیر نجم القرآن آپ کے افکار کے مطالعے کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ یہ تصنیف 'عروہ' کی مانند منظم اور مبسوط نہیں

ہے اس تفسیر میں شیخ رحمۃ اللہ کے نظریہ حیات وکائنات کے بارے میں واضح اور جامع بیانات صوفیانہ تعلیمات کی مثالوں کے ساتھ موجود ہیں۔ عروہ کے برعکس اس تفسیر پر بار بار نظر ثانی نہیں کی گئی ہے۔ یہ تفسیر جب شیخ رحمۃ اللہ کی تخلیقی فعالیت کے دور کی یادگار ہے جب آپ نے اپنے اکثر مبسوط رسائل تصنیف کیے اور اس میں بہت سے نظریات اور دلائل اپنی ابتدائی اور اصلی ہیئت میں موجود ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس تفسیر کا کچھ حصہ براہ راست کشف و الہام کے زیر اثر لکھا گیا ہے۔

اس تفسیر کے ۲۷ نسخے مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ راقم کو دستیاب ہونے والے اولین نسخے جو نسخہ نمبر ۵۴ حکیمولو علی پاشا اور نسخہ نمبر ۱۶۵ اصحت علی پاشا، سلیمانیہ کتفانیسی استنبول اور نسخہ نمبر ۱۳۲۵۹ البیو، حافظ الاسد لائبریری دمشق کے ہیں اور ۷۵۸ھ/۱۳۵۷ء، ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء، ۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء میں ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں اور مصنف کی وفات کی ایک نسل کے بعد کے ہیں۔ تینوں نسخے بہترین حالت میں موجود ہیں۔ سمنانی رحمۃ اللہ کا خودنوشت نسخہ دستیاب نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا نسخہ نمبر ۵۴ حکیمولو اسی اصل نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ نسخہ نمبر ۱۶۵ اصحت علی نسخہ نمبر ۵۴ حکیمولو سے براہ راست نقل کیا گیا ہے اور جیسا کہ اس کے حواشی میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ اس نسخے کا بعد میں اصل سے تقابل کیا گیا ہے۔

اس تصنیف کے مستند ہونے میں کسی قسم کی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ نے خود مطلع النقاط و مجمع الالفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابتدائی دور کے تذکروں میں بھی شیخ رحمۃ اللہ کے مفسر قرآن ہونے کا بیان ملتا ہے۔ اس تفسیر کے مندرجات واضح طور پر اشارہ کرتے ہیں کہ یہ سمنانی رحمۃ اللہ ہی کی تصنیف ہے کیونکہ اس میں آپ کی دیگر تصانیف اور آپ کے بعض سوانحی واقعات کا بھی بیان ملتا ہے۔ طرز تحریر اور مواد دونوں یقیناً شیخ ہی کے ہیں۔

تفسیر نجم القرآن کے زمانہ تصنیف کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور نہ اس کے نام کے بارے میں قطعیت کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس تفسیر میں شیخ رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ کام جادۂ تصوف پر قدم رکھنے کے بیس سال بعد شروع کیا تھا، لیکن یہ بھی اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ کون سے سال کو اپنی ابتدائے سلوک کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ تین ممکنہ سالوں میں پہلا ان کے اولین باطنی تجربے کا سال یعنی ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء ہے، دوسرا سال حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ سے ان کی پہلی ملاقات کا یعنی رمضان ۶۸۶ھ/اکتوبر ۱۲۸۷ء اور تیسرا آپ کے سلسلۂ کبرویہ میں خرقۂ تصوف پانے کا یعنی صفر ۶۸۹ھ/فروری ۱۲۹۰ء کا سال ہے۔ اس لیے باور کیا جا سکتا ہے کہ سمنانی رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر کا آغازی ۷۰۳ھ/۱۳۰۴ء اور ۷۰۹ھ/۱۳۱۰ء کے درمیان کیا۔ زمانہ تصنیف کی قطعیت سے قطعِ نظر یہ امر واضح ہے کہ آپ نے اس تفسیر کا آغاز سلسلۂ کبرویہ سے وابستگی اور حضرت اسفرائنی رحمۃ اللہ سے ملاقات کے بعد ہی کیا۔

یہ تفسیر مختلف ناموں سے موسوم ہے جن میں مذکورہ بالا نام 'مطلع النقاط و مجمع اللقاط' کے علاوہ 'نجم القرآن'، 'التاویلات النجمیہ'، 'تفسیر بطن القرآن'، جیسے نام شامل ہیں۔ 'نجم القرآن' اور 'تفسیر نجم القرآن' کے نام تو اسی تفسیر کے اندر موجود ہیں۔ 'مطلع النقاط و مجمع اللقاط' کا نام بھی شیخ رحمۃ اللہ نے خود استعمال فرمایا ہے لیکن یہ اس تفسیر کے مقدمے کا نام ہے اور اصل تفسیر سے جداگانہ لکھا گیا ہے۔ اس تفسیر کا آغاز سورۃ نمبر ۵۲ یعنی سورۃ الطور سے کیا گیا ہے اور بظاہر یہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی آغاز کردہ تصنیف کا تسلسل ہے۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ سورۃ نمبر ۵۱ یعنی سورۃ الذاریات کی سترھویں اور اٹھارھویں آیات کی تفسیر مکمل کرنے سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔ اس لیے اس تفسیر کا نام 'التاویلات النجمیہ' دراصل حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی آغاز کردہ تفسیر کا ہے۔ 'نجم

القرآن' کا نام بھی دراصل شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ ہی کے اسمِ گرامی سے ماخوذ ہے۔اس نام میں 'قسط' کے مفہوم کی طرف بھی اشارہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جزوی تفسیر ہے۔ اسی طرح 'نجم' کے معنی ستارہ بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس تفسیر میں قرآن مجید کی اہم خصوصیات اور اہم آیات پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ 'نجم القرآن' کے نام پر ان تمام مفروضوں کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

یہ واضح نہیں کہ سورۃ ۵۱ آیت ۱۹ تک یہ تفسیر محض حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ نے لکھی یا آپ اور شیخ دایہ رحمۃ اللہ نے مل کر لکھی۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر کے مختلف نام 'عین الحیات'، 'العوارف' اور 'بحر الحقیقۃ' ہیں۔ انہی ناموں سے موسوم ایک تفسیر شیخ نجم الدین دایہ رحمۃ اللہ سے بھی منسوب ہے۔ دوسری جگہ یہ بھی مرقوم ہے کہ یہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر کا نام 'بحر الحقیقۃ' ہے جسے آپ کے تلمیذ یا مرید دایہ نے مکمل کیا۔

یہ ممکن ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی نامکمل تفسیر کو حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ اور شیخ دایہ رحمۃ اللہ دونوں نے اپنے اپنے طور سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اس حقیقت کی روشنی میں کہ بعض نسخوں میں یہ دعویٰ موجود ہے کہ سورۃ ۵۱ آیت ۱۹ تک یہ تفسیر شیخ دایہ نے لکھی، یہ بھی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ دایہ نے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر پر نظرثانی کی جس کے بعد اس نسخے کو نقل کرنے والوں نے اسے شیخ دایہ رحمۃ اللہ کی تصنیف قرار دیا۔

اگرچہ اس تفسیر کا آغاز اس سورت کے بعد ہوتا ہے جس پر حضرت کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر ختم ہوتی ہے، سمنانی رحمۃ اللہ کی تفسیر ایک آزادانہ تحریر ہے جو طرز اور مواد میں حضرت کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر سے الگ ہے۔ آپ نے اپنے کام کا آغاز عین اس مقام سے نہیں کیا جہاں شیخ کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر ادھوری رہ گئی تھی بلکہ اگلی سورت یعنی سورۃ الطور سے اس تفسیر

کی ابتدا کی ہے۔ تفسیر کے متن سے پہلے ایک طویل مقدمہ اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ سمنانی رحمۃ اللہ کے مقدمے میں اس کام کے مطمح نظر اور طریق کار کی مکمل وضاحت کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک طویل تفسیر لکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس مقدمے میں کام کی جس نوعیت کا عندیہ ملتا ہے اصل تفسیر مواد اور طرزِ تحریر میں اس سے مختلف ہے۔ اسی طرح مقدمے میں جس عظیم الشان منصوبے کا اشارہ ملتا ہے اصل تفسیر اس لحاظ سے خاصی مختصر ہے۔ اس تفاوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'مطلع النقاط و مجمع الالقاط' اس مقدمے کا ہی نام ہے جبکہ اصل تفسیر بعد میں لکھی گئی۔

سمنانی رحمۃ اللہ نے آیت بہ آیت تفسیر کی ہے۔ آپ نے کسی آیت کو نظر انداز نہیں کیا البتہ بعض کی تفسیر سرسری انداز میں ہوئی ہے۔ ایسے موقعوں پر آپ یا تو محض سادہ نثر میں وضاحت کرتے ہیں یا قواعد سمجھاتے ہیں یا فارسی شعر میں کسی چھوٹے نکتے کی وضاحت کرتے ہیں۔ جبکہ بعض قرآنی آیات کی آپ طویل اور سیر حاصل تفسیر کرتے ہیں اور فلسفیانہ، صوفیانہ، فقہی اور دینی موضوعات زیر بحث لاتے ہیں۔ یہ بات واضح نہیں کہ شیخ رحمۃ اللہ کے ذہن میں کوئی طے شدہ نظریہ یا فکر تھا جسے انہوں نے اپنی تفسیر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔ بہر طور آیتِ قرآنی کی جو پیچیدہ شرحیں انہوں نے کی ہیں وہ بعینہ ان کے باطنی تجربات کی عکاسی کرتی ہیں۔ پس صوفیانہ تفسیر کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔

تفسیر نجم القرآن دو شکلوں میں ملتی ہے، ایک آزادانہ طور پر اور دوسری شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر کے ساتھ ملحق۔ اولین نسخے پہلی شکل پر ہیں جن میں مقدمہ، سورۃ الفاتحہ اور سورہ نمبر ۵۲ تا ۱۱۴ کی تفسیر شامل ہے۔ یہ حقیقت کہ اس تفسیر کو کبروی تفسیر کے تکملے کے طور پر نہیں لکھا گیا تھا اس خیال کی مؤید ہے کہ سمنانی رحمۃ اللہ کی تفسیر ایک آزاد تحریر ہے۔ وہ اولین نسخہ جس میں یہ تفسیر شیخ کبریٰ رحمۃ اللہ کی تفسیر کے ساتھ یکجا ہے ۹۰۷ھ/۲-۱۵۰۱ء کا ہے۔

اس شکل میں بعض نسخوں میں مقدمہ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر موجود نہیں ہیں۔ شیخ کبریٰ/شیخ دایہ رحمۃ اللہ اور شیخ سمنانی رحمۃ اللہ کے تفاسیر کے مقامِ اتصال پر عموماً درج ذیل بیان ملتا ہے۔

''مصنف علیہ الرحمہ اس مقام پر خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ اس تفسیر کو شیخ رحمۃ اللہ کے شاگرد علاؤ الدولہ رحمۃ اللہ نے مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے۔''

تفسیر نجم القرآن کے درجِ ذیل نسخے تاحال موجود ہیں:

ذخیرۂ بخارا سینٹ پیٹرز برگ (روس)، نسخۂ حکیمولو علی پاشا، استنبول، نسخۂ حافظ الاسد لائبریری دمشق، نسخۂ شہت علی پاشا استنبول، نسخۂ منیسا (ترکی)، نسخۂ خیر اللہ آفندی استنبول، نسخۂ ترخان استنبول، نسخہ مرات مولا استنبول، نسخہ حمیدیہ استنبول، نسخۂ غازی ہسرو بیگو اسراجیو، نسخۂ کتابخانہ ملی تہران (ایران)، نسخہ حلت آفندی استنبول، نسخۂ بایزید دولت استنبول، نسخۂ دارالکتب قاہرہ (مصر)، نسخۂ حسن خیری استنبول، نسخۂ دمت ابراہیم پاشا استنبول، نسخۂ محمود آفندی استنبول، نسخۂ کلیج علی پاشا استنبول، نسخۂ شہت علی پاشا استنبول، نسخۂ باسل، نسخۂ برلن (جرمنی)، نسخۂ دارالمثنوی استنبول، نسخۂ اسد آفندی استنبول، نسخۂ ذخیرۂ قاسم غنی، نسخۂ ظہریہ حافظ الاسد لائبریری دمشق، نسخۂ بایزید دولت استنبول۔ ☆

(نوٹ: ان نسخہ جات کی مکمل تفصیل کے لیے اصل کتاب سے رجوع کیا جائے یا مترجم سے رابطہ کیا جائے۔)

﴿تمت بالخیر﴾

ارمغانِ نجف

منظوم اردو ترجمہ

دیوانِ علیؑ

○

شاعر

ابو تراب حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

○

ترجمہ

خاک پائے کلبِ علی فقیر غازی محمد نعیم

○

تصوّف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف ○ تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

سمن آباد — لاہور — پاکستان

معارفِ نوربخشیہ

منظوم ترجمہ

مثنوی اسرار الشہود

○

از

شمس الدین اسیری لاہیجیؒ

ترجمہ

ڈاکٹر غازی محمد نعیم

○

تصوّف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

سمن آباد - لاہور - پاکستان